نصرتِ الٰہی

ڈاکٹر عبدالخالق

ایم بی بی ایس

دارالاصلاح، بھائی پھیرو ضلع قصور

اصلاحی انقلاب

کے

اصول وطریق

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط

(الانفال ۸:۱۰)

اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے

نصرت الٰہی

ڈاکٹر عبدالخالق

ایم بی بی ایس

مکتبہ دارالاصلاح بھائی پھیرو

نام کتاب: نصرت الٰہی

مؤلف: ڈاکٹر عبدالخالق

(ایم بی بی ایس)

ناشر: عبداللہ شکیل

(0300-4498958)

مکتبہ دارالاصلاح بھائی پھیرو

کمپوزنگ: عقیل خان

یاسر مدثر کمپوزنگ سنٹر جمبر

(0301-4251658)

طبع اول: یکم جمادی الاول ۱۴۲۷ھ

تعداد: ۱۰۰۰

مطبع: میٹرو پرنٹرز لاہور

قیمت: ۱۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالاصلاح ملک کالونی بھائی پھیرو ضلع قصور

موبائل:0333-4749291 کلینک:049-4510325، رہائش:049-4510341

حسن ترتیب

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۹۷۵ء کی ایک سرد شام میں مولانا مودودیؒ سے عصری ملاقات کے بعد اچھرہ سے شادباغ لاہور جارہا تھا۔ راستے میں ایک خیال ذہن میں آیا کہ نبی ﷺ نے ۲۳ سال میں عرب کے جاہل معاشرے کی کایا پلٹ دی اور ہم ہیں کہ ۳۴ سال سے اقامت دین کے لیے کوشاں ہیں۔ اتنا لمبا سفر کرنے کے باوجود ہنوز روزِ اول والا معاملہ ہے اور اصلاحی انقلاب کی کامیابی کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے۔

خیالات کے ہجوم نے دماغ کو گھیر لیا۔ یہ بات بار بار ذہن میں آتی تھی کہ خلافتِ راشدہ کا مبارک دور تاریخ میں ایک بار ہی کیوں آیا؟ بڑے بڑے نیک بادشاہ گزرے ہیں لیکن بار بار بادشاہتیں ہی آئیں، خلافت راشدہ کیوں نہ آسکی؟ ہر صبح کی ایک شام ہوتی ہے اور ہر شام کی ایک صبح۔ اصل سوال یہ ہے کہ خلافت راشدہ کی سحر پھر دوبارہ کیوں طلوع نہ ہوسکی؟ حالانکہ اس سحر کو لانے کے لیے کئی درخشندہ ستارے خون جگر پیش کر چکے ہیں۔ کربلا سے بالاکوٹ تک اور امام شاملؒ سے مہدی سوڈانیؒ تک تاریخ کے بہت سے اوراق میرے دماغ نے الٹ دیے۔ ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہؒ جیسے بزرگوں کی کوششوں پر غور کیا لیکن مجھے اپنے سوال کا جواب نہ مل سکا۔

ہم بچپن میں نعرہ لگایا کرتے تھے:

پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰــــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ

پاکستان کو بنے ہوئے ۲۸ سال ہونے والے ہیں، ابھی تک ہم اسلام کو دستوری حق بھی نہیں دے سکے۔ خیالات کے تسلسل میں حل نہیں مل رہا تھا۔ جب میں اومنی بس کے ذریعے

ریلوے سٹیشن پہنچا تو ایک خیال یکا یک ذہن میں آیا:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (یونس۱۰:۶۴) اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس وقت میں نے ''کلمات'' کا ترجمہ اصول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے کچھ اصول وضع کیے ہیں۔ گندم کا دانہ پودے کی شکل اختیار کرتا ہے، شاخ بنتی ہے، سٹے بنتے ہیں، دانے سے پودا اور پودوں سے پھر دانے بن جاتے ہیں۔ گندم کی کاشت اور برداشت کے اصول اور قواعد گنے کی کاشت اور برداشت سے مختلف ہیں۔ اسی طرح ہر تبدیلی کے لیے بھی کچھ اصول ہونے چاہئیں۔ یہاں سوال پیدا ہوا کہ آخر وہ کیا اصول وضوابط ہیں جن کی پابندی سے معاشرے اور حکومتیں تبدیل ہوتی ہیں؟ جن کی پابندی سے ہم اسلامی، اصلاحی اور فلاحی انقلاب برپا کر سکتے ہیں؟

گھر پہنچ کر میں نے کاغذ، قلم سنبھالا اور ان خیالات کو تحریر میں لے آیا۔ یہ پہلی تحریر تھی جو ایک طویل سلسلۂ کتب کا سبب بن گئی۔ آج میں اپنے ۳۰ سالہ غوروخوض کو کتاب کی شکل دے رہا ہوں جو ابتدائی سوال کا میری رائے میں صحیح جواب ہے۔

اسلام کو نافذ، قائم اور غالب کرنے کے طریقے، اصول اور قاعدے اللہ تعالیٰ نے بتا دیے ہیں۔ ان فطری اصولوں پر عمل کرنے سے واضح تبدیلی آ سکتی ہے۔ اس نہجِ قرآن سے ہٹ کر جو بھی انقلاب آئے گا وہ اسلامی نہیں ہوگا۔ اسلامی، اصلاحی انقلاب کے اصول اور ہیں اور لادینیت، کمیونزم، فاشزم اور سرمایہ دارانہ تہذیب کے اصول وضوابط کچھ اور ہیں۔

اس مضمون کا مقصد کسی پر تنقید کرنا نہیں بلکہ اپنے رفقا کے سامنے وہ صراطِ مستقیم اجاگر کرنا مقصود ہے جس پر چل کر ہم اپنے ملک میں اصلاح وتعمیر کا کام کر سکتے ہیں۔ اپنی دانست کے مطابق میں نے انقلابِ قیادت کے اصول بیان کر دیے ہیں۔ جو ان خیالات کو عملی زندگی میں اپنائے گا انشاءاللہ فائدہ اٹھائے گا۔

اہلِ علم وتقویٰ سے درخواست ہے کہ جو چیز انہیں مفید نظر آئے اسے اپنائیں اور جہاں

میری کوتاہی نظر آئے، وہاں اصلاح فرما دیں۔ جو اصحاب میری اصلاح فرمائیں گے میں ان کا شکرگزار ہوں گا۔ الحمد للہ یہ میرے ذاتی خیالات ہیں، کسی مفکر کے چوری کیے ہوئے نہیں۔ البتہ میرے بزرگوں کی تعلیمات اور تدبر کی جھلک اس تحریر میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مودودیؒ کی کتابوں ''بناؤ اور بگاڑ''، ''اسلام کی اخلاقی بنیادیں''، ''الجہاد فی الاسلام'' اور ''تفہیم القرآن'' سے بہت کچھ سیکھا ہے جس کے لیے مولانا مرحوم ومغفور کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے (آمین)

میری دانست میں اصلاحی انقلاب کے اصول وطریق کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے:

☆ انکار طاغوت۔ حریت ☆ ایمان ☆ ذاتی اصلاح، عمل صالح، حسن اخلاق

☆ دوسروں کی اصلاح، دعوت الی الخیر ☆ آزمائش ☆ تقویٰ واحسان

☆ حسن معاشرت ☆ امارت، خلافت راشدہ ☆ جماعت، تنظیم صالح

☆ مشاورت ☆ اصحاب، کارکن ☆ تعلیم وتربیت ☆ تزکیہ نفس، کردار، شہادت حق

☆ تزکیہ مال، اصلاح معاش ☆ ہجرت ☆ جہاد فی سبیل اللہ ☆ قتال فی سبیل اللہ

☆ انقلاب قیادت، خروج، جمہوریت ☆ نصرت الٰہی ☆ اقامت دین

انشاء اللہ کوشش کریں گے کہ یہ کتاب اس ترتیب سے مکمل ہو البتہ جو مضمون تیار ہو جاتا ہے، اسے پہلے شائع کر دیا جاتا ہے۔ جب سب مواد چھپ گیا تو انشاء اللہ ایک نئی ترتیب قائم کریں گے اور مختلف ابواب کی نئے سرے سے تدوین کریں گے۔

زیر نظر مضمون اس کتاب کا آخری باب ہے جسے ہم دارالاصلاح کے اجتماعات میں پڑھ چکے ہیں۔ دارالاصلاح کے طالب علموں کے لیے یہ مضمون انشاء اللہ مشعل راہ بنے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم وہ صفات اپنے اندر پیدا کریں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے اور ان غلطیوں سے پرہیز کریں جن کی وجہ سے مدد نہیں آتی اور اگر آ بھی جائے تو جلد واپس چلی جاتی ہے۔ اللہ کی مدد بھی اس طرح ایک ضابطے کی پابند ہے جس طرح بارش اور ہوا کی کی گردش ایک

ضابطے کی پابند ہے۔ اس لیے اس کائنات میں رہتے ہوئے ہمیں فطری قوانین کا لحاظ رکھنا چاہیے۔امید ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے یہ تحریر کارکنوں کی رہنمائی کرے گی۔

اس کتاب میں قرآن کی آیات کا حوالہ دیتے وقت پہلے سورۃ کا نام اس کے بعد سورۃ کا نمبر اور آخر میں آیت کا نمبر درج کیا گیا ہے۔

آخر میں عزیزم عبداللہ شکیل، عقیل خان، ارشد چوہدری، فاروق ارشد، عباس اختر اعوان اور عبدالغفور شیخ صاحب کا مشکور ہوں جن کے تعاون سے یہ کتاب اشاعت کے قابل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو اپنے دربار میں قبول فرمائے۔ (آمین)

خاکسار

ڈاکٹر عبدالخالق

بھائی پھیرو ضلع قصور

۰۱۔۰۶۔۲۰۰۶

اللہ کی مدد لازمی ہے۔

اس مادی دنیا کا نظام اس طرح سے تشکیل دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی توفیق ، رہنمائی اور مدد روزمرہ کے تمام کاموں کے لیے ضروری ہے۔ خداوند قدوس کائنات کا مالک ہے، وہ تقدیر بناتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہمارا منصوبہ اور کائناتی منصوبہ باہم دگر ہم آہنگ ہوں۔ ہم مشرق کی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں اور تقدیری عوامل کا سفر مغرب کی طرف ہے تو ایسے متضاد حالات میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ مرد مجاہد ہمیشہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت کی روشنی میں اقامت دین کا پروگرام تشکیل دیتا ہے۔ ذرائع وسائل مہیا کرتا ہے، محنت سے ساتھی تیار کرتا ہے، حالات کی سازگاری اور فطرت کی ہم آہنگی کا انتظار کرتا ہے۔ جب راست سمت میں صحیح کوشش کی جائے تو اسلام کی اقامت کے کام کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

اسلام خدا کا ذاتی قانون ہے البتہ اسے نافذ انسان کرتا ہے۔ مافوق الفطرت طریقوں سے یہ نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ قانون، شریعت اور دین کو ہمیشہ انسانوں ہی نے نافذ کیا ہے۔ زمین پر بسنے والے چونکہ انسان ہیں اس لیے کوئی فرشتہ زمین پر قانونی نظام نافذ نہیں کرسکتا۔ جب انسان اپنے ذرائع وسائل اور مال و جان سے بھرپور کوشش کرتے ہیں اور امتحان میں پورے اتر کر ثابت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی مدد کے مستحق ہیں تو پھر اللہ کی مدد شامل حال ہوکر نفاذ اسلام کی کوشش کو کامیاب کردیتی ہے۔ جنگ بدر کی کامیابی کا راز ہی یہ ہے کہ اللہ کی مدد آئی اور اس سے جنگ کا پانسہ پلٹا۔ انسانی عقل کے مطابق ایک ہزار جنگی ساز وسامان سے لیس فوج کا مقابلہ ۳۱۳ بندوں کی غیر مسلح اور فاقہ زدہ فوج نہیں کرسکتی لیکن تاریخ گواہ ہے کہ بدر کی فتح کی وجہ صرف اللہ کی مدد تھی جو رُعب ، ایمان، استقامت، بارش اور فرشتوں کی شکل میں آئی۔ یہ حقیقت اس دعا سے بھی ثابت ہوتی ہے جو جنگ سے پہلے حضور ﷺ نے مانگی:

اَللّٰھُمَّ فَنَصْرُکَ الَّذِیْ وَعَدْتَّنِیْ   اے اللہ بس اب آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے مجھ

اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکَ ھٰذِہِ الْعَصَابَۃَ   سے وعدہ کیا تھا۔ اے اللہ! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت

اَلْیَوْمَ لَا تُعْبَدُ ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔

اہلِ حق کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کریں۔ یہ سنت رسول ﷺ بھی ہے اور قانون حاجت روائی کی رُو سے ضروری بھی ہے۔ دعا کے وقت جب عاجزی کا اظہار کیا جائے تو رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے۔ دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب دعا کرنے والا اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کرے۔ جنگ بدر سے پہلے حضور ﷺ نے اپنی چودہ سالہ محنت کا ثمر، مال اور جان جو کچھ بھی میسر ہوسکتا تھا سبھی اللہ کے حضور پیش کر دیا۔ یہ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم تمام آزمائشوں سے گزر کر اپنی صداقت ثابت کر چکے تھے۔ ان میں کوئی بھی منافق شامل نہ تھا۔ یہ اللہ کے پسندیدہ انسان اس کی مدد کے مستحق ٹھہرے۔تکبر اللہ کے دربار میں پسند نہیں کیا جاتا۔اللہ کے ہاں عاجزی وانکساری کو پسند کیا جاتا ہے۔بعض اوقات نیک لوگ بھی فرطِ جذبات میں عاجزی کو چھوڑ کر کبریائی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ان کی رہنمائی کے لیے بدر میں مانگی جانے والی دعا ایک بہت بڑا اسبق ہے۔ جنگ بدر کا پورا نقشہ یہ ثابت کرتا ہے کہ انسانی مساعی کے ساتھ ساتھ اللہ کی مدد کامیابی کے لیے ناگزیر ہے۔

فتح کے مختلف عوامل میں سے اللہ کی مدد ایک اہم عنصر ہے۔جتنی اہمیت اسلحہ کی ہے اس سے کہیں زیادہ اہمیت اللہ کی مدد کو حاصل ہے۔ دوسرے لفظوں میں جس طرح یہ دین اللہ کا ہے، اس کی کامیابی بھی اللہ ہی کی مدد سے ہوگی۔ یہ واضح رہے کہ اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے، یہ مغلوب دین نہیں ہے، یہ غلاموں اور بزدلوں کا دین نہیں بلکہ بہادروں اور مجاہدوں کا دین ہے۔ جب اللہ کے نیک بندے خلوص سے شہید ہورہے ہوں تو ان کی طرف سے حق ادا ہو جاتا ہے۔ باقی اللہ کا کام ہے کہ وہ اپنے دین کو غالب کرنے کے لیے اپنے بندوں کی مدد کرے۔ مدد کے نقطہ نظر سے قرآن نے ایک بڑی اہم بات کی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۝

اور دعا کرو کہ پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار (بنی اسرائیل ۱۷:۸۰)

بنادے۔

وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ (الفتح ۴۸:۳) اللہ تم کو زبردست نصرت بخشے گا۔

مندرجہ بالا آیات میں الفاظ ''سلطاناً نصیراً '' اور ''نصراً عزیزاً '' سے یہ نقطہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام کو غالب کرنے کے لیے قوت کی ضرورت ہے اور یہ قوت اللہ کی مدد سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کامیابی کے لیے ایک لازمی عنصر ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر کام ادھورا رہ جاتا ہے بلکہ کوئی کام سلیقے سے ہوتا ہی نہیں۔

مدد صرف اللہ کرتا ہے

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (انفال ۸:۴۰)

اور اگر وہ نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (انفال ۸:۱۰)

مدد جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بے شک اللہ غالب اور دانا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (آل عمران ۳:۱۳)

تمہارے لیے ان دو گروہوں میں ایک نشان عبرت تھا جو (بدر میں) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ دیکھنے والے بچشم سر دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ مومن گروہ سے دوچند ہے مگر اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے، مدد دیتا ہے۔ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝ (الصّف ۶۱:۱۴)

پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی اور وہی غالب ہو کر رہے۔

یہ بات عقیدۂ توحید کا حصہ ہے کہ امداد صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے، کرتا ہے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ رزق مہیا کرتا ہے اسی طرح وہ کامیابی اور مدد عنایت فرماتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے مان لینے میں بھلائی ہے۔ اگر ہم سمجھیں کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی قوت ہے جو ہماری مدد کر سکتی ہے تو یہ ہماری جہالت ہی نہیں شرک اور کفر بھی ہے۔ جب ہم نے اللہ تعالیٰ کو مالک الملک اور خالق کائنات تسلیم کر لیا ہے تو پھر کسی دوسرے کو مدد و اعانت کا اہل خیال کرنا، خود اپنے ہی عقیدے کی نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی مدد اکثر مخلوق کے ذریعے کرتا

ہے اس لیے بعض اوقات جاہل انسان مخلوق کو ہی اصل مدد گار سمجھ لیتا ہے اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلوق خالق کے حکم، اِذن اور توفیق سے ہی مدد کرتی ہے۔ کوئی بھی مخلوق اللہ سے بے نیاز ہو کر کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ اللہ نے کئی دفعہ اپنے دشمنوں کو حق پرستوں پر غلبہ دیا ہے۔ باطل قوموں کا اتحاد بھی اللہ کے اِذن ہی سے ہے۔ خود شیطان اور جنات بھی اللہ ہی کے اِذن سے کافروں سے تعاون کرتے ہیں۔ شیطان نے ابتدائے آفرینش کے وقت مہلت اور اجازت طلب کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے کچھ قوتیں اور مواقع عطا کیے اور انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اجازت دے دی:

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ بولا مجھے اس دن تک مہلت دے جبکہ یہ سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ (الاعراف ۷: ۱۴)

اللہ کا حکم فطری بھی ہو سکتا ہے جیسے لوہا لکڑی کو کاٹ دیتا ہے اور ہنگامی اور عارضی بھی ہو سکتا ہے جیسے قوم لوط علیہ السلام پر پتھروں کی بارش۔ حالات ہمارے موافق ہوں یا مخالف، اللہ کا اِذن حکمت کے تابع ہوتا ہے۔ اللہ اپنے علم کی بنیاد پر تقدیری مسائل کی روشنی میں کسی قوت کو نیک یا بد کی مدد کرنے کی اجازت دے دیتا ہے۔ اللہ کی حکمتوں کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیغمبر کو کافر قتل کر دیتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو فرعون بار بار ارادہ کرنے کے باوجود قتل نہیں کر پاتا۔ اب ان دونوں مواقع پر کیا کیا علم و حکمت کے راز ہیں وہ بس اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾

پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے (اس وراثت کے لیے) اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی بیچ کی راس ہے اور کوئی اللہ کے اذن (فاطر ۳۵: ۳۲)

سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے۔ یہی بہت بڑا بڑا فضل ہے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ (المجادلہ ۵۸:۱۰) کانا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے، اور وہ اس لیے کی جاتی ہے کہ ایمان لانے والے لوگ اس سے رنجیدہ ہوں، حالانکہ بے اذن خدا وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچاسکتی اور مومنوں کواللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ (ہود ۱۱:۸۸) اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

اللہ خالق اور مالک کائنات ہے۔اس نے تقدیر اور مشیت کے اصول وضع کیے ہیں۔ان اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی مخلوق کسی دوسری مخلوق کو فائدہ نہیں پہنچاسکتی ہے نہ مدد کرسکتی ہے۔توفیق،حکم اور اِذن ہی کا ایک شعبہ ہے اور کائنات کے عظیم تر منصوبے کا حصہ ہے۔توفیق کو کہیں اللہ کی رحمت کہا گیا ہے اور کہیں اللہ کا فضل۔توفیق کے بہت سے پہلو ہیں۔توفیق اس سہولت کو کہتے ہیں جو بندوں کو قوانین فطرت کے تحت ملتی ہے۔ایثار، توکل،صبر سب اللہ کی توفیق،اِذن اور مشیت ہی کی وجہ سے عطا ہوتے ہیں۔کامیابیاں اور کامرانیاں اسی اِذن خداوندی کی وجہ سے ہیں۔ہمیں جو کچھ حاصل ہے سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اس کا حکم،اِذن،توفیق اور مدد روز ہمارے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور لمحہ بھر کے لیے بھی ہم اس مدد سے بے نیاز نہیں ہوسکتے، یہ زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے۔اللہ سے ہٹ کر مادی وسائل،عقل وخرد انسانوں یا غیر اللہ پر بھروسہ کرکے انسان کفر اور شرک تو نافذ کرسکتا ہے،اسلام قائم اور غالب نہیں کر سکتا۔نیکی کے غلبہ کے لیے غیر اللہ اور مادی وسائل پر انحصار کم عقلی ہے۔ذرائع اور وسائل کی اہمیت اپنی جگہ پر،لیکن ان پر کلیتًا بھروسہ کافی نہیں ہے۔کسی کام کے کرنے کے لیے مختلف عوامل ضروری ہوتے ہیں مثلاً روٹی پکانے کے لیے مادی وسائل آٹا، پرات،توا،آگ، باورچی، پانی اور رومال

وغیرہ کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن ایک پس پردہ حقیقت اللہ کی مدد اور توفیق بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ آگ اہم ہے۔ مادی وسائل کے ساتھ ساتھ اللہ کی مدد اور توفیق کے بغیر روٹی نہیں پک سکتی۔ اسی مثال کو غلبۂ دین پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ مادی وسائل بھی تقدیر الٰہی اور تخلیق کائنات کے اصولوں کا ایک جزو ہیں۔ تمام اجزائے ترکیبی کو ملائے بغیر کام نہیں چلتا۔ اللہ کی مدد ایک اہم جزو ہے۔ دنیا میں کوئی دوسرا اللہ کے سوا اتنی قوت نہیں رکھتا کہ وہ کسی طرح کی کوئی مدد کر سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾ آخر وہ کون سا ایسا لشکر تمہارے پاس ہے جو رحمٰن کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ منکرین دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ (الملک ۶۳:۲۰)

مدد کے ذرائع

بلاواسطہ مدد

ایمان

فتح ونصرت کے سلسلے میں ایمان بہت تعاون کرتا ہے اور اللہ کا خاص انعام ہے کہ کسی کو ایمان پر استقامت عطا کر دے۔ جب کوئی مشکل وقت آتا ہے تو صحیح اور شعوری ایمان مسلمان کے بہت کام آتا ہے۔ ایمان کے معنی میں یقین بھی شامل ہے۔ اس بات کا یقین کہ اللہ ضرور مدد کرے گا۔ اللہ اپنے وعدے پورے کرے گا۔ مان لیا جائے کہ سمیع وبصیر اور حاضر وناظر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس پر مکمل اعتماد کہ وہ ضرور مدد کرے گا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (النساء۴:۱۲۲)

رہے وہ لوگ جو ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں، تو انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہوگا؟

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم۳۰:۴۷)

اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے پھر جنہوں نے جرم کیا، ان سے ہم نے انتقام لیا اور اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد۴۷:۷)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔

ایمان کے معنی میں اعتماد بھی شامل ہے۔ جب اللہ کو وکیل بنا لیا جائے اور اس پر بھروسہ ہو

تو پھر جنگ میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔اللہ کے فضل اور اللہ کی مدد پر اعتماد فتح کو یقینی بنا دیتا ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

بار ہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ (البقرہ۲:۲۴۹)

جنگ احزاب کے موقع پر اہل ایمان کے اعتماد کی اللہ نے خود تعریف کی ہے اور مسلمانوں کا یہ قول نقل کیا ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝

اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا کہ جب انہوں) نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ وہی چیز ہے کہ جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات بالکل سچی تھی۔اس واقعہ نے ان کے ایمان اور سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ (الاحزاب۳۳:۲۲)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی صداقت پر یقین کی وجہ سے اللہ کی مدد آئی،طوفان باد و باراں نے کفار کے خیموں کو اکھاڑ پچھاڑ دیا اور جنگ احزاب میں مسلمان کامیاب ہوئے ۔ ایمانی کیفیات بدلتی رہتی ہیں۔ جنگ میں خوف و ہراس ایک لازمی امر ہے لیکن یہ اللہ کی مدد ہی ہے کہ اس گھبراہٹ کے ماحول میں صادق الایمان بنا دے ورنہ مشکل گھڑیوں میں لوگ ایمان تو کیا ہر بھلائی سے منہ موڑ لیتے ہیں اور افراتفری میں خود اپنا ہی نقصان کر لیتے ہیں:

یقین محکم ،عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(علامہ اقبالؒ)

ہدایت

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدہ ۵:۵۶) اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا (الفرقان ۲۵ :۳۱) اے محمد ﷺ ہم نے اسی طرح مجرموں کو ہر نبی علیہ السلام کا دشمن بنایا ہے اور تمہارے لیے تمہارا رب ہی رہنمائی اور مدد کو کافی ہے۔

ہدایت کے بارے میں ایک مضمون شائع ہو چکا ہے۔ ہدایت اور فتح و نصرت کا بہت تعلق ہے۔ صحیح قوت فیصلہ پر جنگ کے نتائج منحصر ہیں۔ جنگ کا وقت، جنگ کا مقام اگر پہلے سوچ لیا جائے تو نتائج کو بدلا جا سکتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ کب اور کہاں جنگ ہوگی؟ ہدایت کا صحیح اور بروقت استعمال ہے اور یہ اللہ کی بہت بڑی دین ہے کہ مسائل کا بروقت ادراک کر لیا جائے مثلاً جنگ بدر ایک سوچی سمجھی جنگ تھی۔ میدان جنگ کا انتخاب حضور ﷺ نے خود کیا۔ اللہ کی صحیح رہنمائی حالات کا رخ بدل دیتی ہے۔

ایک ہدایت یہ ہے کہ انسان کو نماز اور ذکر کا طریقہ معلوم ہو جائے لیکن سب سے اہم ہدایت یہ ہے کہ اللہ کسی کو انقلاب اور غلبۂ اسلام کے اصول وضوابط کا ادراک عطا کر دے۔ فتح وشکست کے اصولوں کا علم بہت بڑا علم ہے۔ یہ ہر کسی کو نہیں ملتا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملتا ہے۔ عام مسلمانوں کو بھی یہ ہدایت مل سکتی ہے اگر وہ اپنے طرز عمل کی اصلاح کریں۔ جب اللہ کی طرف سے صحیح رہنمائی آ جائے تو کامیابی یقیناً حاصل ہوتی ہے البتہ اس فرق کو سمجھنا چاہیے کہ ہدایت کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں لڑنا ہوتا ہے تو دوسرے وقت میں صبر کرنا ہوتا ہے۔ ہر لمحہ رہنمائی تبدیل ہوتی ہے۔ اصول انقلاب کا یہ علم کہ اب کون سا قدم اٹھانا ہے؟ اللہ اپنے بندوں کو آج بھی دیتا ہے۔ جہاد اور اقامت دین کے نقطۂ نظر

سے ہدایت مل جانے کا مفہوم یہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ، اس کی جماعت یا امیر المجاہدین کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات سمجھا دے کہ اس موقع پر کیا عمل کرنا ہے؟ صبر اور تحمل کا وقت کون سا ہے؟ اور عمل اور ردِ عمل کا وقت کون سا ہے؟ ہدایت سے محرومی کی وجہ سے اپنا حال تو یہ ہے کہ:

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

(علامہ اقبالؒ)

حکمت

حکمت یعنی دانائی اللہ کی بہت بڑی عطا ہے:

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا — جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔

(البقرہ ۲:۲۶۹)

قتال فی سبیل اللہ میں قدم قدم پر عقل، فہم و فراست اور دانش مندی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جنگ کی تیاری میں سامان حرب، سامان خورد و نوش اور کمک کی فراہمی میں دانش کی ضرورت ہوتی ہے۔ حربی جنگ کے ساتھ ایک نفسیاتی جنگ بھی لڑنی پڑتی ہے۔ اب تو پروپیگنڈے کا زمانہ ہے اس لیے نفسیاتی جنگ کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ ذرائع ابلاغ دانائی سے استعمال کیے جائیں تو نتائج بدل جاتے ہیں۔

زندگی کے ہر شعبے میں دانش مندی کی ضرورت ہے اور یہ اللہ کی مدد ہے کہ بر وقت صحیح دانش مندانہ اقدام کی توفیق دے کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیتی ہے۔ جنگ مدائن میں ایرانی ہاتھی لے کر میدان جنگ میں آئے۔ اس کا توڑ کرنے کے لیے مسلمانوں نے اونٹوں پر بڑے بڑے سرخ کپڑے لگا کر ایک ڈراوے کا تاثر دینے کی کوشش کی۔ ہاتھیوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے اونٹ سامنے کھڑے کر دیئے۔ اونٹوں پر سوار تیر اندازوں نے ہاتھیوں کے مہابتوں کو نشانہ بنایا۔ چنانچہ ہاتھی اپنے ہی سپاہیوں کو روندتے ہوئے واپس ہوگئے۔ یہ تدبیر بہت کارگر رہی۔ اس طرح اور بھی بہت سی تدابیر ہوتی ہیں جو بر وقت جنگ میں اپنائی جاتی ہیں۔ عقل و خرد کی فراوانی بھی اللہ کا انعام

ہے اور یہ خاص مدد کا طریقہ ہے۔

جرمنی نے ماسکو پر حملہ کیا اور اس ناکامی نے جنگ عظیم دوم کا نقشہ بدل دیا۔ ساری دنیا کہتی ہے کہ ماسکو پر حملہ ہٹلر کی بے وقوفی تھی۔ صلح حدیبیہ ایک عقل مندانہ اقدام تھا۔ اس معاہدے کو توڑنا قریش کی بے وقوفی تھی۔ فتح مکہ کے سفر کو خفیہ رکھنا بہت بڑی عقلمندی کا کام تھا۔ قریش کو جب بے خبری میں جا لیا گیا تو وہ صحیح انداز میں مدافعت کے قابل ہی نہ رہے۔ دانائی سے لڑی گئی جنگ میں فتح یقینی ہوتی ہے اور بے وقوفی کی جنگ میں شکست یقینی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو عقل عطا کر دینا بھی فتح کی ضمانت ہوتی ہے۔ صرف جنگ کا مسئلہ نہیں عام معمولات زندگی کو بھی دانش مندی سے چلانا اللہ کی مدد کا حصہ ہے۔ جنگ تو چند دن ہوتی ہے باقی زندگی کئی سال چلتی ہے۔ اس لیے عام دنیاوی کاموں میں عقل اور حکمت کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ یہ سب عقلمندی اللہ کے اذن اور مدد سے حاصل ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ’’اُوْلِی الْاَلْبَاب‘‘ یعنی ’’دانا‘‘ کا خطاب دیا ہے۔

بصیرت

بصیرت اس علم کو کہتے ہیں جس کا تعلق عقل اور ضمیر کے ساتھ ہے۔ روشن ضمیری بھی بصیرت ہی کی ایک شکل ہے۔ جنگ کی صورت حال میں بصیرت بہت کام کرتی ہے۔ انسان حالات کا تجزیہ کر کے مستقبل کے متعلق ایک رائے بنا سکتا ہے۔ پیش بندی، وقت سے پہلے حالات سے آگاہی، فوجوں کی نقل وحرکت، دوست اور دشمن کی تعداد، قبل از وقت اقدامات، ایسے بہت سے عوامل ہیں جن کو نگاہ میں رکھ کر جنگ کی پیش رفت اور پیش بندی کی جاسکتی ہے۔

بصیرت اللہ کی خاص عنایت ہے جو وہ اپنے منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے۔ جب اللہ نے کسی نیک بندے سے کام لینا ہوتا ہے تو اسے حکمت اور بصیرت کی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ یہ نوازش بھی مدد ہی کے زمرے میں آتی ہے۔ جس طرح اندھا اور بینا برابر نہیں ہوتے اسی طرح کند ذہن اور صاحبِ بصیرت شخص میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جب نتائج سامنے آئیں تو پھر اندازہ

ہوتا ہے کہ اس فتح میں بصیرت کا کتنا دخل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بصیرت ایک بے بہا تحفہ ہے جو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ یہ بصیرت ہی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہ ایک کلمہ ہے، اے قریش! اسے اپنا لو تو عرب پر تمہاری حکومت ہوگی اور عجم تمہیں خراج دے گا۔'' لیکن تعصّبات نے قریش کی مت ہی ماردی۔ افسوس کہ ہم بھی بصیرت سے خالی ہیں۔

علم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝٩

اے نبی ﷺ ان سے پوچھو کہ وہ لوگ جن کے پاس علم ہے اور وہ لوگ جن کے پاس علم نہیں ہے کیا برابر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل مند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔ (الزمر ۹:۳۹)

پیغمبر ﷺ کے فرائض میں شامل تھا کہ انسانوں کو قرآن کی تعلیم دیں:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝١٥١

اور اللہ کا رسول ﷺ تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ہر اس بات کی تعلیم دیتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (البقرہ ۲:۱۵۱)

علم کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ کاروبار علم کے بغیر ناممکن ہے۔ کھیتی باڑی کا بھی ایک علم ہوتا ہے جس کے بغیر پیداوار میں اضافہ ناممکن ہے۔ اسی طرح صنعت و حرفت اور سیاست وغیرہ مختلف شعبہ جات کا اپنا اپنا علم ہوتا ہے اور اس کے بغیر کوئی کام بھی صحیح انداز میں نہیں ہوسکتا۔ غلبۂ اسلام اور جنگ و جدال کا بھی اپنا ایک علم ہے۔ اصولِ انقلاب کا علم بھی بہت ضروری ہے۔ مجاہدین اسلام کی تعلیم و تربیت ناگزیر ہے۔ نبی ﷺ نے جو تعلیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی آج کے علوم سے بدرجہا بہتر تھی۔

فتح و نصرت کے پہلو سے جنگ، تحریک، اقامت دین کے مختلف پہلوؤں کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کو نور بھی کہا۔ آج کے دور میں حربی سائنس نے اتنی ترقی کرلی

ہے کہ فوج میں ملازمت کے لیے بھی گریجوایٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ جسے انقلاب کی ضرورت کے مطابق علم دے دے، وہ ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔ علم بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اس لیے علم کے ذریعے مدد ایک بہت بڑا عطیہ خداوندی ہے۔ اقامتِ دین کے حوالے سے وہ علم کافی نہیں جو مدرسوں اور حفظ القرآن کے اداروں میں پڑھایا جاتا ہے۔

آج کے دور کی ضرورت ہے کہ اقامتِ دین کے لیے ایک نیا نصاب ترتیب دیا جائے جس میں ماڈرن علوم کا احاطہ بھی ہو اور قرآن، سنت، فقہ، تاریخ اور سیرت کا علم بھی شامل ہو۔ ایک بالکل ہی نیا نصاب، نیا سکول، نئی یونیورسٹی اور اقامتِ دین کے ذہن سے تیار کردہ نیا استاد چاہیے۔ پاکستان میں چند لوگوں نے جدید وقدیم علوم ملانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ اچھے نتائج نہیں دے رہے کیونکہ یہ کوشش مطلوبہ معیار کے مطابق نہیں ہے۔

اسلام قیامت تک کے لیے ہے۔ اسے غالب کرنے اور فتح حاصل کرنے کے لیے اس کے بتائے ہوئے طریقے کا علم ضروری ہے۔ خدا کا دیا ہوا علم ہی نتائج کے اعتبار سے صحیح ہے۔ صحیح علم کا حصول اور فتح ونصرت کے بارے میں صحیح معلومات آج کے مسلمان کی ضرورت ہے۔ جب اللہ کسی قوم کو غالب کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے انقلاب صالح کا صحیح علم بھی عطا کر دیتا ہے۔ صحیح علم کا ملنا بہت بڑی مدد ہے جو اللہ کی طرف سے آتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ علم کی نعمت سب سے بڑی دولت ہے۔

معیت

اللہ مومنوں کے ساتھ ہے اور اللہ کا یہ ساتھ ہمیشہ کا ساتھ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے دربار میں بھیجا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴿۴۶﴾ فرمایا "ڈرومت میں تمہارے ساتھ ہوں، سب کچھ سن اور دیکھ رہا ہوں" (طٰہٰ ۲۰:۴۶)

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَکُمْ اور اللہ نے کہا کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (المائدہ ۵:۱۲)

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید ۵۷:۴) تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال ۸:۱۹) اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔

مسلمانوں کا دشمن اللہ کا بھی دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ختم کرنا چاہتا ہے اور مومنوں میں اضافہ کرنا چاہتا ہے:

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کردو۔ (الانفال ۸:۶۰)

اس مقابلے کے لیے اس نے طریق کار یہ بنایا ہے کہ وہ نیک اور بدلوگوں کو آپس میں ٹکرا دیتا ہے اور سچے مسلمانوں سے تعاون کر کے اپنی معیت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ یہ ساتھ توفیق و مدد کا بھی ہے اور علم و ہدایت کا بھی تا کہ دشمن کا صفایا کیا جا سکے:

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (الحج ۲۲:۳۸) یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں۔ یقیناً اللہ کسی خائن کافر نعمت کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ بنفس نفیس مسلمانوں کا دفاع کر رہا ہے۔ ان کی دفاعی سرگرمیوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ ان کا وکیل اور ان کا آقا و مولا ہے۔ اس ہمراہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو بندے کے مستقبل کی بھی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ''مھیمن'' (نگران) کا تعلق بھی اسی مدد کے زمرے میں آتا ہے۔

فکر کار ما کارساز ما

اللہ کا ساتھ کامیابی کا ضامن ہے۔ یہ معیت، یہ ہم رکابی اسی وقت تک کے لیے ہے جب تک انسان دائرۂ بندگی و اطاعت کے اندر رہے۔ جب انسان اپنا اختیار استعمال کر کے گناہ کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اللہ کا ساتھ ٹوٹ جاتا ہے اور اللہ بندے کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ جنگ بدر میں مسلمان جنگ کر رہے تھے تو اللہ کی براہِ راست نگرانی میں لڑ رہے تھے۔ جنگ اُحد میں

۳۵مسلمانوں نے کوتاہی کی تو اللہ نے اپنی مدد کا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

سمیع وبصیر خدا اپنے بندوں کے ساتھ کچھ اس طرح سے چل رہا ہے کہ حسب ضرورت ان کی مدد واعانت کرے، جس طرح غارِ ثور میں اللہ اپنے نبی ﷺ کے ساتھ تھا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (التوبہ۹:۴۰) غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

مومن کے لیے یہ بات بڑے حوصلے کی ہے کہ جس آقا کے کلمے کی سر بلندی کے لیے وہ جان اور مال کی قربانی دے رہا ہے، وہ اس کے پاس ہی کھڑا اس کو دیکھ رہا ہے۔ وہ اس کے حالات سے واقف ہے اور اس کا ہم سفر ومعاون ہے۔

فطری قوانین

ہر انسانی عمل کے پیچھے کچھ فطری قوانین ہوتے ہیں۔ یہ طبیعات کے قوانین ہر ایک کے لیے ایک جیسے ہیں مثلاً جہاز پٹرول سے اُڑتا ہے، پانی سے نہیں چلتا۔ گولی انسان کو زخمی کر دیتی ہے خواہ نیک ہو یا بد۔ موجودہ دور کی سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم مسلمان اور کافر دونوں کو ایک جیسا فائدہ پہنچاتا ہے۔ ہندوستان میں جب انگریز حملہ آور ہوئے تو ان کے پاس اعلیٰ قسم کی توپیں اور بندوقیں تھیں اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں اور سکھوں کے پاس نکمی قسم کی بندوقیں تھیں۔ اسلحے کی برتری کی وجہ سے انگریز جیت گئے حالانکہ اس مقابلے میں مسلمانوں نے بڑی جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔

فتح وکامرانی کے لیے متداول علوم اور جدید ترین اسلحہ اور ٹیکنالوجی کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ انسانی سعی کا نتیجہ ہے کہ انسان نے اسلحے کی دوڑ میں بہت ترقی کر لی ہے۔ اسلحہ ایک ضروری عنصر ہے لیکن اور بھی بہت سے عوامل ہیں جو کامرانیوں کی طرف انسان کو لے جاتے ہیں۔ ان فطری قوانین میں ڈسپلن، مشورہ، ترسیل اور مواصلات وغیرہ کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ فطری اصول بڑا ہو یا چھوٹا، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بعض اوقات ایک کام کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن بعد میں اسی غیر اہم کام کی وجہ سے بہت سے اہم کاموں کا نقصان ہو جاتا ہے مثلاً بجلی

کے پنکھے کا بیرنگ خراب ہو گیا۔ اگر اسے فوری طور پر بدل دیا جائے تو پندرہ بیس روپے میں کام چل سکتا ہے لیکن لاپرواہی کرنے سے پنکھے کی موٹر کے جل جانے کا امکان ہے۔ لاپرواہی کی وجہ سے مرمت پر دوسو روپے سے زیادہ خرچ آجاتا ہے۔

یہی حال فطری قوانین کا ہے ایک معمولی فروگذاشت کامیابی کو ناکامی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں شکرگڑھ کے محاذ پر .O.P نے اپنے میجر کو اطلاع دی کہ فوجیں بارڈر کی طرف آرہی ہیں۔ پاکستانی جوان آفیسر میس میں مصروف طعام تھے۔ اردلی نے پیغام پہنچایا۔ میجر صاحب نے افسرانِ بالا کو اطلاع کی۔ حکم آنے میں دیر ہو گئی۔ اتنے میں ہندوستانی فوجیں ''کوٹ نیناں'' پہنچ گئیں۔ میجر صاحب نے اپنے یونٹ کے ساتھ پہاڑی نالے ''بئیں'' کے اس پار آکر مورچہ بنالیا۔ ۲۵ منٹ کے ضیاع نے ہندوستانی فوج کو آگے بڑھنے کا موقع دے دیا اور اس طرح ۱۰۰ مربع میل کا علاقہ بغیر کسی جنگ کے ہندوستانی فوج کے قبضے میں چلا گیا۔ وہی میجر صاحب جو بئیں نالہ پر دفاع کر رہے تھے، اگر ان کو بروقت حکم مل جاتا تو وہ کوٹ نیناں سے اس پار بھی دفاع کر سکتے تھے۔

فطرت کسی کی رشتہ دار نہیں کہ لحاظ کرے۔ وہ تو اپنے اصولوں کی پابند ہے۔ چنانچہ چند منٹ کا ضیاع ایک بڑے نقصان کا ذریعہ بن گیا۔ جس کی تلافی کئی سو افراد کی شہادت سے بھی نہ ہو سکی۔ کامیاب شخص وہ ہے جو ہر پہلو سے ان فطری قوانین کا مطالعہ کر کے گہرا علم حاصل کرے اور چھوٹے بڑے تمام اصولوں کی پابندی کرے۔ میدانِ جنگ میں اسلحہ، ڈسپلن اور دیگر عوامل کے اعتبار سے اگر دونوں فریق ایک جیسے ہوں تو اللہ کی مدد ایک اضافی قوت بن کر حق کو غالب کرتی ہے لیکن اگر قوت کا توازن برابر نہ ہو، مسلمانوں کی قوت تھوڑی ہو تو پھر بھی بعض اوقات فطری قوانین ہی کی مدد سے مسلمان جیت جاتے ہیں مثلاً جنگ میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی غلیل سے لوہے کے لباس میں ملبوس جالوت کو قتل کر دیا۔ قوم عمالقہ کے بادشاہ کا گرنا تھا کہ ان کا مورال گر گیا اور بنی اسرائیل کو کامیابی حاصل ہوئی۔

ثابت قدمی

میدانِ جنگ سے بھاگنا گناہِ کبیرہ ہے جو کبھی بھی معاف نہیں ہوتا۔ انگریز میدانِ جنگ سے بھاگنے والے کو گولی مار دیتے ہیں البتہ دورانِ جنگ مورچہ تبدیل کرنا یا فوجی ڈسپلن کے تحت پسپائی اختیار کرنا جائز ہے۔ ثابت قدمی کامیابی کی ضامن ہے۔

حضرت ابودرداؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ثَلاَثَةٌ یُحِبُّهُمُ اللّٰهُ وَ یَضْحَکُ اِلَیْهِمْ وَ یَسْتَبْشِرُبِهِمْ ، اَلَّذِیْ اِذَاانْکَشَفَتْ فِئَةٌ قَاتَلَ وَرَآءَ هَا بِنَفْسِهٖ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (زادراہ صفحہ:۱۴۹)

تین قسم کے لوگ جو اللہ کو محبوب ہیں وہ انہیں دیکھ کر مسکراتا ہے اور ان سے خوش ہوتا ہے۔ اول وہ مجاہد کہ جب فوج کا کوئی دستہ بھاگ کھڑا ہو تو یہ جما رہے اور اللہ عزوجل کی خاطر لڑتا رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ (الصّف ۶۱:۴)

اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں اسطرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی دیوار ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ (الانفال ۸:۴۵)

اے ایمان والو۔ جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ یُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ۫ وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾ (ابراہیم ۱۴:۲۷)

ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔

اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ

اور وہ وقت جبکہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے

وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ؕ﴿۱۱﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾ (الانفال ۸:۱۱،۱۲)

اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اوراس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جما دے اور وہ وقت جبکہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کررہا تھا کہ ''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ (النحل ۱۶:۱۰۲)

ان سے کہو کہ اسے تو روح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور فرمانبرداروں کو زندگی کے معاملات میں سیدھی راہ بتائے اورانہیں فلاح وسعادت کی خوشخبری دے۔

جنگِ احد میں نبی ﷺ زخمی ہو گئے لیکن اپنے مقام سے نہیں ہٹے اور شکست کے باوجود آپ کا وجود ایک نئی دفاعی لڑائی کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ صحابہ منتشر ہونے کے باوجود دوبارہ صرف اسی لیے اکٹھے ہو گئے کہ نبی ﷺ اپنے مقام پر کھڑے رہے۔ ایک وقت آیا کہ آپ اکیلے رہ گئے اور دشمن نے اکیلے تاک کر حربہ مارا۔ اُمِّ عمارہؓ آگے آ گئیں اور اس طرح وار ترچھا ہو گیا اور حضور ﷺ کا معمولی نقصان ہوا۔ آپ کی ثابت قدمی کی وجہ سے شکست کے باوجود اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدانِ جنگ میں موجود رہے۔ پرانا طریقِ جنگ یہ تھا کہ شکست خوردہ فوج بھاگ جاتی لیکن احد میں ایک نیا سبق ملا کہ شکست خوردہ فوج کا ایک بڑا حصہ میدانِ جنگ کے کنارے ایک پہاڑی پر موجود ہے اور فاتح فوج ان کو اپنے مورچے سے ہٹا نہیں سکی۔ کفارِ مکہ اپنی کامیابی کے نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ ثابت قدمی سے جنگوں کے رُخ بدل جاتے ہیں۔ اس ثبات کو ایک بہت بڑی خوبی گنا جاتا ہے۔

ثبات عقیدے کی پختگی اور خلوص نیت کا ثمر ہے۔ یہ انعام اللہ کی توفیق اور رحمت سے حاصل ہوتا ہے اور مدد کا بہترین انداز ہے۔ یہ انسان کے خودکفیل ہونے کا ثبوت ہے۔ مسلمان اپنی قوت بازو سے ہی اپنا دفاع کررہا ہے۔ باہر سے مدد نہ بھی آئے تو ثابت قدم انسان جب تک شہید نہیں ہوتا ایک چٹان سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مدد ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتال فی سبیل اللہ ہی نہیں بلکہ ہر مقام پر ثابت قدم بنا دے۔ زندگی کے جملہ معاملات میں بھی ثابت قدم رہنا کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔

صبر

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال ۸:۴۶)

جنگ میں صبر ایک ضروری عنصر ہے۔ یہ بھی اللہ کی کرم نوازی ہے کہ وہ اپنے محبوب بندوں کو صبر عطا فرماتا ہے۔ صبر سے ناکامیوں کے رخ مڑ جاتے ہیں اور کامیابی قدم چومتی ہے۔ تحریک اقامت دین میں صبر کی قدم قدم پر ضرورت ہے۔ مسائل و مشکلات میں صبر، جلد بازی سے پرہیز، حسنِ انتظار، تھکا دینے والی لمبی جدوجہد پر گھبرانا اور نہ ہی پریشان ہونا، صبر سے جدوجہد جاری رکھنا، شکست پر صبر، کامیابیوں پر بھی صبر و تحمل کا مظاہرہ مجاہدین اسلام کا خصوصی وطیرہ رہا ہے۔ ظلم و ستم سہہ جانا اور خود ظلم نہ کرنا بھی صبر ہی کے پہلو ہیں۔ دوسروں کے عدم تعاون کے باوجود مایوس کن ماحول میں یکسوئی سے جدوجہد کرنا بھی صبر کا ایک اہم پہلو ہے۔

ہمت

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

اور اگر تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑا ہمت اور حوصلے کا کام ہے۔ (آل عمران ۳:۱۸۶)

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ اے میرے بیٹے نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر اور یہ بڑے ہمت اور حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔ (لقمان ۳۱:۱۷)

عزم و ہمت جنگ کرنے کے لیے ضروری ہے۔ ایک بڑی فوج اسلحہ سے لیس موجود تھی لیکن ملکہ سباء کو حضرت سلمان علیہ السلام کے مقابلے میں آنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس جنگ اُحد میں مسلمان فوج کو شکست ہوگئی لیکن نبی ﷺ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمت نہیں ہاری۔ جرأت و ہمت کی وجہ سے کامیابی ملتی ہے اور اگر شکست ہو بھی جائے تو نقصان کم ہوتا ہے۔ بزدلی نقصان اور ضیاع کا باعث بنتی ہے۔ عزم و ہمت بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔

سکون

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔ (الفتح ۴۸:۱۸)

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول ﷺ اور مومنین پر نازل فرمائی۔ (التوبہ ۹:۲۶)

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ اس وقت اللہ نے اپنی طرف سے اس پر سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آئے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا۔ (التوبہ ۹:۴۰)

اطمینانِ قلب ایمان کا لازمی نتیجہ ہے جب ایمان اپنے صحیح شعور کے ساتھ قائم ہو جائے تو جنگ کی مصیبت میں بھی سکونِ قلب اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ جنگ ایک بڑی مصیبت ہے لیکن راہِ حق میں اس گھاٹی سے اترنا ضروری ہے۔ مرنا ایک مشکل کام ہے۔ اللہ کی راہ کے سفر میں آخری مقام شہادت ہی ہے۔ اللہ کی راہ میں موت ایک بہترین موت ہے۔ جنگ میں اللہ پر یقین جنگ کے عوامل کا فطری قانون، جنگ میں منصوبہ بندی اور ڈسپلن ایسے امور ہیں کہ مجاہد کو ہر طرف

سے سکون مہیا کرتے ہیں۔ گھبراہٹ اور افراتفری، خلافِ اسلام ہی نہیں نقصان دہ بھی ہیں۔ جب مجاہد کو سکون اور اطمینانِ قلب حاصل ہو تو اس کی فتح یقینی ہے۔ پُرسکون مجاہد شکست سے بھی نہیں گھبراتا۔ نبی ﷺ اور آپ کے مخلص ساتھی جنگ اُحد اور جنگ احزاب کے نازک ترین مواقع پر بھی پرسکون رہے۔ سکون شکست کو فتح میں بدل دیتا ہے اور نقصان بھی تھوڑا ہوتا ہے۔

۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے کہ لوگ ہجرت کر کے آ رہے تھے۔ دریائے راوی کے کنارے مہاجرین کا ہجوم ہو گیا۔ پیچھے سے سکھوں نے کیمپ پر حملہ کر دیا افراتفری میں گنجائش سے زیادہ لوگ کشتی پر سوار ہو گئے۔ حد سے زیادہ بوجھ اٹھانے کی وجہ سے چند قدم پر کشتی ڈوب گئی۔ اس کے برعکس جنگ عظیم دوم میں برطانیہ کے بحری جہاز کو آگ لگ گئی۔ عملہ کے افراد ایک نظم کے تحت کشتیوں پر سوار ہو گئے۔ جہاز تو ڈوب گیا لیکن عملہ کے افراد کو کشتیوں کے ذریعے بچا لیا گیا۔

جنگ لڑنے، فتح حاصل کرنے اور شکست کے نقصانات کو کم کرنے کے لیے تحمل، صبر، ثابت قدمی اور سکون بہت ضروری عوامل ہیں۔ یہ اللہ کی مدد ہی ہے کہ کسی کو سکون عطا فرما دے اور اس کی حربی قوت کو کئی گنا بڑھا دے۔ سکون کا نظم اور صبر کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ سکون دل و دماغ کی قوتوں کے ٹھہراؤ کو کہتے ہیں۔ جذبات کی انگیخت سے سکون برباد ہو جاتا ہے۔ سکون اور اطمینان روزمرہ زندگی کے لیے بھی ضروری ہے۔ پرسکون زندگی بھی اللہ کا خصوصی انعام ہے۔

شرح صدر

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ (الزمر ۳۹:۲۲)

اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔ (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا)

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا

پس یہ حقیقت ہے کہ جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے

حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۲۵) (الانعام ۶:۱۲۵)

گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے۔ اور ایسا بھینچتا ہے کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی) اسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے اس طرح اللہ (حق سے فرار اور نفرت کی) ناپا کی ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

شرحِ صدر ایمان، بصیرت اور عزم و استقلال کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ جہاد کے مختلف مراحل میں اہم فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ بعض فیصلے پریشانی کا باعث بنتے ہیں اور بعض فیصلوں پر عقل و خرد کو اطمینان مل جاتا ہے۔ کسی بھی فیصلے کے نتائج کے بارے میں اگر اطمینان حاصل ہو جائے کہ فیصلہ صحیح ہے یا غلط، انسان جہاد کے دوران ہمت نہیں ہارتا۔ بعض اوقات فیصلے غلط ہوتے ہیں لیکن انسان کا دل مطمئن ہوتا ہے کہ حالات کے جبر میں یہ غلط فیصلہ ہی قبول کرنا پڑے گا۔ مستقبل کے بڑے فائدے کے لیے حال کا نقصان اطمینان سے برداشت کر لیا جاتا ہے۔ اس ذہنی کیفیت کی وجہ سے انسان دل جمعی سے لڑے گا اور ہر طرح کی قربانی دے گا۔

جب فیصلہ قرآن اور سنت کی روشنی میں صحیح ہو، سائنس اور ٹیکنالوجی کے مطابق درست ہو، دل کا اطمینان ہو اور شرح صدر بھی حاصل ہو تو ہر مجاہدِ اسلام پوری دل جمعی سے لڑتا ہے اور راہ حق کی مصیبتوں کو سکون اور صبر سے برداشت کرتا ہے۔ اس لیے سکون قلب اور شرح صدر اللہ کے اہم انعامات ہیں جو کسی مجاہد کو مل جائیں۔ شرح صدر سے جدوجہد کا رخ صحیح ہو جاتا ہے۔

یہ انعام بھی ان کمالات میں ہے جو مدد کی شکل میں اللہ تعالیٰ دلوں میں اتارتا ہے۔ شرح صدر کا تعلق حال اور مستقبل کے حوالے سے اچھے یا برے فیصلوں اور اقدامات سے ہوتا ہے۔ اس کیفیت کے لیے صحیح علم کا ہونا لازم ہے۔ دور اندیشی اور حکمت انشراح صدر میں مدد کرتی ہیں۔ سکون اور شرح صدر دو الگ الگ کیفیات ہیں جو ایک دوسرے سے باہم ملی ہوئی ہیں۔

بروقت تیاری

جنگ تبوک کا سبق ہی یہ ہے کہ مناسب وقت پر جنگ کی تیاری کرنی چاہیے۔ وقت کی مناسبت، موسم کے لحاظ سے نہیں حالات کے پس منظر میں ہوتی ہے۔ دشمن غفلت میں ہو تو اس کے استراحت کے دنوں میں اپنی حربی قوت میں اضافہ اور تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جنگ سے پہلے جنگ کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔ فوج اور رسد کو منظّم کیا جاتا ہے۔ دانا لوگ تو فوجی اکیڈمی کو سارا سال ایک خاص نظم سے چلاتے ہیں تا کہ نئے نئے لوگ تربیت پا کر فوجی قوت میں اضافہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال ۸:۶۰) اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسروں کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

اس حکم کا اطلاق بہت سے مقامات پر ہوتا ہے۔ اور خاص طور پر جنگ میں تو اس حکم پر عمل کرنے سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں مناسب کھیپ موجود نہ تھی۔ ڈبوں میں تنصیب کے انتظار میں پڑی مشینوں کو چلا کر میزائل تیار کرنے پڑے۔ بس ہنگامی طور پر کام کر کے یہ میزائل بنائے گئے۔ لاہور، چونڈہ، سلیمانکی میں ٹینکوں کی یلغار کو روکنے میں ان میزائلوں کا بڑا حصہ ہے۔

وقت کا احساس ضروری ہے۔ اگر وقت دشمن کے ہاتھ میں ہے تو ہم بے بس ہوں گے لیکن اگر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے تو دشمن کو بے بس کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے عسکری نقطۂ نظر سے وقت کا ڈسپلن بہت ضروری ہے۔ آج کا کام آج ہونا چاہیے۔

اللہ کی راہ کے سفر اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے قبل از وقت بھرپور تیاری ضروری ہے۔

جن کے وسائل زیادہ ہوتے ہیں وہ جلدی تیاری کر لیتے ہیں لیکن مجاہدین اسلام تو ہمیشہ ہی محدود وسائل والے لوگ ہوتے ہیں اس لیے جنگ سے بہت پہلے جنگ کی تیاری کرنی چاہیے۔

تعلیم وتربیت کے نقطۂ نظر سے بھی قبل از وقت تیاری ضروری ہے۔غیر تربیت یافتہ لوگ بہت سا وقت اور سرمایہ ضائع کر دیتے ہیں۔ جنگ کی تیاری میں فوج کا نظم وضبط، مناسب مشق، مناسب تعلیم وتربیت، بروقت اقدامات، اسلحہ سازی، اسلحہ کی حفاظت، مناسب ترسیل اور جنگ کی پیش بندی وغیرہ ضروری عوامل ہیں اور یہ سب کام وقت سے پہلے کرنے پڑتے ہیں۔اسی طرح دیگر امور خصوصاً سیاسی اموراور الیکشن وغیرہ میں بھی بروقت تیاری کی جاتی ہے۔

احتیاط

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ (النساء۴:۷۱) اے لوگو جو ایمان لائے ہو احتیاط کو لازم پکڑو۔ پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا اکٹھے ہو کر۔

وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ (النساء۴:۱۰۲) مگر پھر بھی چوکنے رہو یقین رکھو کہ اللہ نے جافرون کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

احتیاط ایک واضح حکم اور فریضہ ہے۔اس کے بہت سے پہلو ہیں۔ایک پہلو راز داری ہے۔جنگی اور حربی رازوں کی حفاظت بہت ہی ضروری ہے۔ نبی ﷺ مکہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ اس حملہ کو راز میں رکھا یہاں تک کہ آپ مکہ کے سر پر پہنچ گئے اور اہل مکہ غافل رہے۔راز داری بھی اپنے اندر بہت وسعت رکھتی ہے۔احتیاط کا تقاضا ہے کہ راز، راز ہی رہے۔

راز کو محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔راز اس وقت تک راز ہے جب تک وہ آپ کے سینے میں ہے۔ایک بات جب آپ کے سینے سے زبان تک آئی تو پھر وہ راز نہ رہی۔اگر جماعت اور ڈسپلن کی ضرورت ہو کہ راز ایک سے زیادہ آدمیوں کے پاس رہنا چاہیے تو پھر اُن افراد کا قابلِ اعتماد ہونا ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے ہجرت کو راز میں رکھا۔صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر کے افراد کو اس راز کا علم تھا۔باقی سارے مکہ اور مدینہ میں سے ایک شخص بھی نہ تھا جو یہ جانتا

ہو کہ نبی ﷺ غارِ ثور میں ہیں۔احتیاط کا تقاضا ہے کہ راز ، راز ہی رہے اور راز کی بھر پور حفاظت کی جائے۔

احتیاط کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تمام جنگی ضرورتوں کو قبل از وقت مہیا کیا جائے۔محاورہ ہے کہ ’’جس کا انتظار کرنا پڑے اسے ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔‘‘ وسائل کی کمی کے باوجود جنگ کی ضروریات مناسب وقت پر حاصل کر لی جائیں۔

احتیاط کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اسلحے اور جانوروں کی حفاظت اور سامان حرب کے سٹور اور محفوظ کرنے کا صحیح انتظام ہو کیونکہ لاپرواہی سے اسلحہ چوری ہوسکتا ہے، دشمن اسے آگ لگا کر ضائع کر سکتا ہے اور ہمارا اسلحہ ہمارے خلاف بھی استعمال ہوسکتا ہے۔اس لیے احتیاط بہت اہم فریضہ ہے۔

احتیاط کا چوتھا پہلو رسد اور پانی کا صحیح انتظام ہے۔اس کی ترسیل و تقسیم میں بھی پوری پوری احتیاط ہونی چاہیے۔کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ضائع نہیں ہونی چاہیے۔معمولی سی لاپرواہی کسی بڑے نقصان کا ذریعہ بن سکتی ہے۔صحت اور صفائی کے اصولوں میں بھی احتیاط کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔بیماریوں کو پھیلنے سے روکنا بہت ضروری ہے۔وباؤں سے بچاؤ کی تدابیر کا اختیار کیا جانا بھی ضروری ہے۔

مجاہدین کے باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھنے کے لیے بھی نظم کو بہت محتاط ہونا پڑتا ہے۔ خاص طور پر پرانی جہالتوں سے بچنا بہت ضروری ہوتا ہے ورنہ غیر محتاط رویے کی وجہ سے خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔احتیاط ایک حکم ہے لیکن یہ سوجھ بوجھ کہ احتیاط کے مختلف پہلوؤں پر کیسے عمل درآمد کیا جائے؟ اللہ کی عطا ہے اور یہ بھی مدد ہی کا حصہ ہے کہ اقامتِ دین کا کام کرنے والوں میں احتیاط کا جذبہ وافر مقدار میں پایا جائے۔جب اللہ تعالیٰ احتیاط کے مختلف مدارج میں مدد کرتا ہے تو صرف احتیاط ہی کی وجہ سے کامیابی مل جاتی ہے۔احتیاط کو ملحوظ رکھ کر خطرناک امراض سے شفا مل جاتی ہے۔خاندانی نظام کی کامیابی میں احتیاط کا بڑا دخل ہے۔کاروباری، سیاسی، تعلیمی اور

تربیتی معاملات میں بھی احتیاط فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ احتیاط زندگی کے سارے معاملات میں کام آتی ہے۔

رُعب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا (آل عمران۳:۱۵۱)

عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرین حق کے دلوں میں رعب بٹھادیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کو خدائی میں شریک ٹھہرایا۔ جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا (الاحزاب۳۳:۲۶)

اور اللہ نے ان کافروں کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ آج تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو۔

فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (الحشر۵۹:۲)

پس اللہ ایسے رخ سے ان پر آیا جدھر ان کا خیال بھی نہ گیا تھا۔ اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی برباد کروا رہے تھے۔ پس اے دیدۂ بینا رکھنے والو عبرت حاصل کرو۔

سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال۸:۱۲)

میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ۔

ان آیات میں اُحد، احزاب، بنوقریظہ اور بدر کی جنگوں میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا ذکر ہے۔ صاف صاف الفاظ میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں، یہودیوں اور مشرکوں کے دلوں میں

مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ مسلمان تعداد میں کم تھے، مالی وسائل کے اعتبار سے بھی کمزور تھے لیکن تمام تر کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہیبت ایسی بٹھائی کہ آخر کار وہ کامیاب ہوگئے اور مدینہ میں اسلام کی حکومت اپنی صحیح شکل میں قائم ہوگئی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ.... میری ایک مہینے کی دوری پر رعب سے مدد کی گئی۔

(مشکوٰۃ حدیث: ۵۵۰۰)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ.. (مشکوٰۃ حدیث: ۵۵۰۱) **میری رعب سے مدد کی گئی۔**

رعب ایک نفسیاتی عمل ہے۔ کئی دفعہ قوت وشوکت کا رعب پڑتا ہے اور کئی دفعہ ڈسپلن، بروقت تیاری اور بروقت چوٹ لگانے سے بھی رعب پڑ جاتا ہے۔ کئی مقامات پر دشمنوں پر مصنوعی رعب بھی ڈالا جاتا ہے۔ کئی لوگ تو صرف بڑھک ہی سے ڈر جاتے ہیں۔ کئی سیاستدانوں کی خاندانی وجاہت کی وجہ سے بھی عوام اور افسر ڈر جاتے ہیں۔ بعض اوقات بزدل آدمی بھی اپنی حکمت سے لوگوں کو ڈرا کر اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ اس زمانے میں رعب ایک سائنس بن گئی ہے۔

امریکی فوجی دست بدست لڑائی میں بہت بزدل ثابت ہوئے ہیں۔ یہ لوگ موت سے بہت ڈرتے ہیں لیکن افغانستان میں بمباری نے ساری دنیا کو خوف زدہ کر دیا ہے۔ تمام مسلم ممالک امریکہ کے ظلم کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتے۔ پاکستان کے ایٹمی تجربہ نے ہندوستان کو اتنا خوفزدہ کر دیا کہ دس لاکھ فوج بارڈر پر لانے کے باوجود جنگ کی جرأت نہیں ہوئی۔ مجاہدین کشمیر تعداد میں بہت تھوڑے ہیں لیکن سات لاکھ ہندوستانی فوج ان سے خوف زدہ ہے بلکہ بہت سے سپاہی اپنے افسروں کو قتل کر کے بھاگ رہے ہیں۔ مٹھی بھر مجاہدین جن کے پاس مناسب اسلحہ بھی نہیں ہے، ان کے خوف نے ہندوستان کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ رعب کے ذریعے اللہ تعالیٰ آج بھی اپنے محبوب بندوں کی مدد کرتا ہے۔ اس باب میں ہمارے بہت سے تجربات ہیں۔

الفت بین الجماعت (جماعت میں اتفاق ومحبت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا، اس دن جس دن اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں وہ دو آدمی بھی شامل ہیں:

وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَيْهِ (راہ عمل حدیث:۵۱) وہ دو آدمی جن کی دوستی کی بنیاد اللہ اور اللہ کا دین ہے۔ اسی جذبے کے ساتھ وہ اکٹھا ہوتے ہیں اور یہی جذبہ لیے ہوئے جدا ہوتے ہیں۔

مجاہدین اسلام کے آپس میں محبت، الفت اور ایثار کے رشتے ضروری ہیں۔ کسی بھی جماعت، فوج یا قوم کی کامیابی کا راز ہی یہ ہے کہ اس جماعت، فوج یا قوم کے ارکان میں باہمی ربط کس نہج پر ہے؟ آپس کی محبت گہری ہے یا سطحی؟ تعلقات کی نوعیت کیسی ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں الفت ڈال دی گئی:

فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ (آل عمران۳:۱۰۳) اس نے تمہارے دل جوڑ دیے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (الانفال۸:۶۳) اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے، تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے۔ یقیناً وہ بڑا زبردست، دانا اور عقلمند ہے۔

نظم وضبط کی بہت اہمیت ہے لیکن یہ نظم باہمی محبت سے مزید مضبوط ہوتا ہے۔ محبت کو بڑھانے میں ایثار کا بہت دخل ہے۔ ایک مجاہد سے دوسرے مجاہد کے خوشگوار تعلقات نظم وضبط کو مستحکم کرتے ہیں۔ الفت بھی خاص اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کا کامرانیوں سے گہرا تعلق ہے۔

فوجوں کے درمیان خانہ جنگیوں نے بڑی بڑی قوموں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا کیونکہ

لالچ، حسد، بغض اور خود غرضی ایسی خرابیاں ہیں جو باہمی محبت کو فنا کر دیتی ہیں۔ جب مجاہدین کی صفوں میں الفت کا رابطہ ختم ہو جائے تو پھر آپس کی لڑائی کو نہیں روکا جا سکتا۔

بنوامیہ اور بنو ہاشم میں دور جاہلیت میں رقابت موجود تھی۔ اسلام نے اس کو ختم کر کے باہم دگر شیر وشکر کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد یہ رقابت پھر زندہ ہوگئی۔ بنو ہاشم اور بنوامیہ کی لڑائیوں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ اس خانہ جنگی کے بعد بھی اگرچہ مسلمانوں ہی کی حکومت رہی لیکن اسلام کا اصل نظام حکومت یعنی خلافت راشدہ کو ہمیشہ کے لیے اقتدار سے ہٹا دیا گیا۔ اہل اسلام کی آپس کی محبت کامیابی کی ضامن ہے اور آپس کا انتشار شکست کو یقینی بنا دیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ خود کہہ رہا ہے کہ یہ اُلفت میرا انعام ہے۔ اس فرمان الٰہی کی روشنی میں الفت کا پیدا ہو جانا بھی مدد ہی کی ایک قسم ہے۔

مشاورت

اللہ کا حکم ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں ہم نے جو بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (الشوریٰ ۴۲:۳۸)

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ (آل عمران ۳:۱۵۹) اور (حکومت کے) کاموں میں ان سے مشورہ کرلو۔

مشورہ بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے اس لیے جنگ کی ابتدا سے پہلے اہل الرائے کا مشورہ بہت ضروری ہے۔ مشورہ میں جنگ کا وقت، جنگ کا میدان اور جنگ کی حکمت عملی پر بحث ہوتی ہے۔ دیگر ضروریات جنگ کو بھی مشاورت سے مہیا ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ عین میدان جنگ میں بھی مشورہ کر لینا بہت ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر، جنگ اُحد اور جنگ احزاب سے پہلے مشورہ کیا، جنگ احزاب کے آخری نازک لمحات میں بھی مشورہ کیا۔

جنگی امور میں ماہرین حرب سے ہی مشورہ کرنا چاہیے۔ غیر حربی لوگوں سے جنگ کے

موضوع پر مشورہ ایک بے کار عمل ہے۔صحیح صورت تو یہ ہے کہ حربی امور کے ماہر اہل الرائے کی ایک مجلس مشاورت بنائی جائے اور ان کے مشوروں سے امور طے کیے جائیں۔ایک اچھا مشورہ جنگ کی شکل بدل دیتا ہے اور ایک غلط مشورہ فتح کو شکست میں بدل دیتا ہے۔

مشورہ کے لیے درست اور مخلص ساتھیوں کی ضرورت ہے۔بعض اوقات ایک سپاہی کا مشورہ جرنیل کے مشورہ سے بہتر ہوتا ہے۔ بات کرنے والے کے رینک کی طرف نہ دیکھا جائے۔ بات کا وزن کیا جائے کہ دی جانے والی رائے کس حد تک صائب ہے۔حربی امور کے علاوہ بھی ہر کام میں مشورہ کرنا چاہیے۔امر کے معنی میں کام بھی شامل ہے۔ایک اچھا مشورہ بھی اللہ کا انعام ہے اور اچھے فیصلے سب اللہ کی توفیق اور مدد سے ہی ہوتے ہیں۔اچھے مشورے کو بھی خدا کی مدد ہی میں شمار کرنا چاہیے۔بعض لوگ خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مشورہ نہیں کرتے اور کئی دفعہ اچھا مشورہ رد کر دیتے ہیں۔یہ چیز عام دنیاوی معاملات میں بھی غلط ہے۔

مخلوق کے ذریعے مدد

فرشتے

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝

آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ امید ہے کہ اب تم شکرگزار بنو گے۔ یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے ''کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟''۔ بے شک اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ آئیں گے اُسی آن تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ (آل عمران ۳:۱۲۳۔۱۲۵)

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝

اور وہ موقع جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے درپے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ (انفال ۸:۹)

فرشتے اللہ کے کارندے ہیں۔ کائنات کے انتظام میں اللہ کے حکم سے حصہ لیتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی ڈیوٹی ہے۔ جب فرشتے مسلمانوں کی مدد کو آتے ہیں تو اس طرح کام کرتے ہیں جس طرح انسان کام کرتے ہیں۔ بعض اوقات فرشتے انسانی شکل میں نظر آتے ہیں اور دیکھنے والوں کو اس طرح نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کی فوج کئی گنا ہے۔ جنگ بدر میں مسلمان ۳۱۳ تھے۔ فرشتوں کی موجودگی کی وجہ سے تعداد زیادہ نظر آتی تھی۔ کافر حیران تھے کہ اتنی تعداد میں مسلمان کہاں سے آگئے؟

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ (آل عمران۳:۱۳)

تمہارے لیے ان دو گرہوں میں ایک نشان عبرت تھا جو (بدر میں) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا دیکھنے والے بچشم سر دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ مومن گروہ سے دو چند ہے مگر (نتیجے نے ثابت کر دیا کہ) اللہ اپنی فتح ونصرت سے جس کو چاہتا ہے، مدد دیتا ہے۔ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔

جنگ بدر میں حضرت طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک سوار ان کے دائیں ہاتھ پر لڑ رہا ہے۔ اجنبی ہے، سفید گھوڑے اور سفید لباس میں ملبوس ہے۔ وہ کافروں کو کوڑے مارتا ہے تو کافر مر جاتے ہیں۔ جنگ کے بعد میں نے سوال کیا کہ یہ کون شخص تھا؟ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے

قرآن سے ثابت ہے کہ جنگ بدر، جنگ اُحد اور جنگ حنین میں بھی فرشتوں کی مدد آئی بلکہ فرشتوں کی تعداد بھی بتادی گئی۔ بعض اوقات فرشتے نظر آتے ہیں لیکن بعض اوقات فرشتے نظر نہیں آتے بلکہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہ کر کام کرتے ہیں۔

ہماری روزمرہ زندگی میں بھی بعض اوقات فرشتے مدد کو آجاتے ہیں مثلاً راستہ گم ہو گیا اچانک ایک شخص ظاہر ہوا، ہمیں راستہ بتا کر غائب ہو گیا۔ غلط راہ پر چل رہے تھے، ایک آدمی ظاہر ہوا، نیک بات بتا کر غائب ہو گیا۔ فرشتوں کے کئی روپ ہیں اور ہر نازک موقع پر یہ اہل ایمان کی مدد کو آتے ہیں۔ مستقبل میں بھی فرشتے اللہ کے حکم سے ہماری مدد کو آسکتے ہیں۔

افغانستان اور کشمیر کے جہاد میں لوگوں کو بارہا تجربہ ہوا ہے کہ فرشتے آتے ہیں اور مدد کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ فرشتوں کی مدد کے بارہا تجربات کے بعد اس بات پر یقین کر لینا چاہیے کہ کامیابی کے لیے فرشتوں کی مدد ضروری ہے اور فرشتے صرف اللہ کے حکم سے مدد کو آتے ہیں۔

ہوا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بحری بیڑے کو صحیح رخ پر چلا کر ہوا مدد کرتی تھی:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ (سبا ۳۴:۱۲)

اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا۔ صبح کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی راہ تک اور شام کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی راہ تک۔ ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور ایسے جن اس کے تابع کر دیے جو اپنے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے۔ ان میں سے جو ہمارے حکم کی سرتابی کرتا اس کو ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھاتے۔

آج بھی ہوا کا صحیح رخ ہوائی جہازوں کی رفتار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے ہوائی جہاز اڈوں پر نہیں اتر نہیں سکتے۔ بمباری اور گولہ باری پر بھی ہوا کے رخ کا بہت اثر ہوتا ہے۔ تیز ہوا سے جہاز کا نشانہ غلط ہو جاتا ہے۔ تیز شعاعیں بھی ہوا کی وجہ سے نشانے کو آگے پیچھے کر دیتی ہیں۔ حضور ﷺ کی بھی ہوا نے مدد کی تھی:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ (انفال ۸:۱۷)

(پس حقیقت یہ ہے کہ) تم نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا (اور مومنوں کے ہاتھ جو اس کام میں استعمال کیے گئے) تو یہ اس لیے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے۔ یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

ہجرت کی رات نبی کریم ﷺ نے مٹھی بھر کنکر پھینکے اور ہوا نے وہ چھوٹے چھوٹے کنکر کفار کی آنکھوں میں ڈال دیے۔ کفار آنکھیں ملتے رہ گئے اور محمد ﷺ ان کے درمیان سے گزر گئے۔

جنگ حنین میں آپ ﷺ نے مٹھی بھر خاک پھینکی اور فرمایا:

شَاهَتِ الْوُجُوْه (مشکوٰۃ حدیث:۵۶۳۸) برے ہوئے ان کے منہ

ہوا نے اس مٹھی بھر خاک کو سارے میدانِ جنگ میں پھیلا دیا اور ہر کافر کی آنکھ میں تھوڑی بہت خاک پڑی جس کا فائدہ جنگ میں مسلمانوں کو پہنچا۔ ہوا کائناتی نظام کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم کی پابند ہے۔ ہوا بھی اللہ کے حکم سے چلتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ہوا مسلمانوں کی مدد کرتی ہے۔ یہ وہی ہوا ہے جو عام طور پر چلتی ہے۔

طوفان

ہوا کبھی کبھی طوفان کی شکل بھی اختیار کر لیتی ہے۔ اس میں گرد وغبار کے ساتھ بارش بھی ہوتی ہے۔ یہ تیز آندھی بھی قوانین فطرت کا حصہ ہے۔ اس طوفانی آندھی نے جنگ احزاب میں مسلمانوں کی بھرپور مدد کی۔ موسم سرما کی آندھی کو سائیکلون (Cyclone) بھی کہتے ہیں۔ اس کی رفتار کئی سو میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ بارش اور اولے بھی پڑتے ہیں۔

جنگ احزاب سردیوں میں لڑی گئی اور اس طوفانی آندھی کی وجہ سے کفار راتوں رات میدان جنگ اور بہت سا مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہ طوفان کی خصوصی مدد تھی جسے مسلمان اور کافر سب سمجھتے تھے کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے تھی۔ ہلکے طوفان کو گرد باد بھی کہتے ہیں۔ کئی مواقع پر دھند اور گرد باد نے بھی مسلمانوں کی مدد کی ہے۔

بارش

بارش بھی اللہ کے حکم سے برستی ہے۔ جنگ بدر میں بارش کے ذریعے بھی مسلمانوں کی مدد کی گئی۔ بارش کی وجہ سے مسلمانوں کو پینے کا پانی میسر آیا۔ نہا دھو کر صفائی حاصل کی گئی۔ ریتلی زمین جو مسلمانوں کی طرف تھی، سخت ہوگئی اور مسلمانوں کو لڑنے میں سہولت مل گئی۔ کفار کی طرف کے میدان میں کیچڑ ہوگئی اور ان کو لڑنے میں بڑی دقت پیش آئی۔

آج کے ایٹمی دور میں بھی بارش بہت مددگار ہے۔ ٹینک جیسی طاقتور مشین دلدل میں

پھنس جاتی ہے۔ سڑکیں بارش کی وجہ سے بیٹھ جاتی ہیں اور ٹینک اور ٹرک بیچ سڑک میں پھنس جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے بھی اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔

زمین

زمین اللہ کے حکم سے حرکت کرتی ہے اور اللہ ہی کے حکم سے انسانوں کے لیے مسخر کر دی جاتی ہے۔ خدا کے باغیوں کے لیے یہ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو جاتی ہے:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبہ ۹:۱۱۸) اور ان تینوں کو بھی (معاف کیا) جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا جب زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔

بعض اوقات یہی تنگ زمین اہل ایمان کے لیے وسعتیں پیدا کر دیتی ہے:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ (العنکبوت ۲۹:۵۶) اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، میری زمین وسیع ہے پس میری بندگی کرو۔

نصرت الٰہی کے حوالے سے زمین نے مسلمانوں کی بہت مدد کی۔ لوگ مورچے بنا کر لڑتے ہیں۔ درختوں اور کھیتوں میں پناہ لیتے ہیں۔ سانپ کو مارنے کے لیے دوڑیں تو وہ زمین میں ایسے چھپ جاتا ہے جیسے وہ کسی سوراخ میں چھپ گیا یعنی مٹی اسے چھپا لیتی ہے۔ بالکل اسی طرح زمین مسلمانوں کا بھی ساتھ دیتی ہے۔ پرانے زمانے میں لوگ پہاڑوں کو پشت پر رکھ کر جنگ لڑا کرتے تھے۔ آج پہاڑ کی اوٹ میں مورچہ بنا کر لڑتے ہیں۔ وادیوں کے نشیب وفراز کامرانیوں کا باعث بنتے ہیں۔ زمین پر اُگنے والے درخت اور جنگل بھی مجاہدین کو چھپا لیتے ہیں۔ دریا اور نہروں کے کنارے اللہ کی مدد کا ذریعہ بنتے ہیں۔

بی آر بی نہر نے ۱۹۶۵ کی جنگ میں لاہور شہر کو بچا لیا۔ میدانِ کارزار کی ساخت، نوعیت، کیفیت وغیرہ سب کا جنگ کے نتائج پر اثر ہوتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جنگوں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو میدان جنگ کا نقشہ مسلمانوں کے حق میں جاتا رہا ہے۔ زمین بھی اسی طرح اللہ

کی تابعدار ہے جس طرح مسلمان ۔ دونوں ہی اللہ کے بندے اور غلام ہیں ۔ دو غلام ایک دوسرے سے مدداور تعاون کرتے ہیں تا کہ اللہ کا کلمہ سر بلند ہو۔ جب مسلمان صحیح مسلمان ہوتا ہے تو اس میں اور زمین میں ہم آہنگی ہو جاتی ہے اور صرف زمین ہی نہیں ، زمین سے متعلقہ تمام مخلوقات مسلمانوں کی مدد کو آ جاتی ہیں ۔ جنگ کے نتائج کو کامیابی کی طرف لے جاتی ہیں ۔ ہجرت کی شب زمین نے پہاڑی راستے پر حضرت محمد ﷺ کی مدد کی اور پہاڑ کی چوٹی کے قریب قدموں کے نشان غائب کر دیے۔

جانور

ابابیلوں نے خانہ کعبہ کہ بچانے کے لیے ابرہہ کے لشکر کو تباہ کر دیا (الفیل) ۔ یہ ایک خاص طریقہ تھا۔ عام طور پر ابابیلیں ایسا نہیں کرتیں ۔ یہ اللہ کا خاص حکم تھا۔

ہجرت کی گھڑی غار ثور میں جالا بنا کر مکڑی نے نبی ﷺ کی مدد کی ۔ کافر جب غار میں جھانکے بغیر واپس چلے گئے تو انھوں نے اندر نہ جھانکنے کے لیے یہ دلیل دی کہ اگر کوئی شخص اندر ہوتا تو یہ جالا ٹوٹ چکا ہوتا۔ مکڑی نے ایسا مضبوط جالا بنایا کہ محسوس ہوتا تھا کئی سال سے اس جگہ سے کسی کا گزر نہیں ہوا۔ یہ ایک خصوصی خدمت تھی جو اللہ کے حکم سے اس کے رسول ﷺ کی مکڑی نے کی حالانکہ دنیا کا کمزور ترین گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے ۔ (العنکبوت ۲۹:۴۱)

یہ جالا اس وقت ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گیا۔ یہ سب اللہ کے حکم سے تھا۔ یہ اللہ ہی کی مدد تھی کہ مکڑی کے کمزور گھر نے اپنے پیچھے اللہ کے دو پیاروں کو چھپا لیا۔ اسی غار کے پاس ایک کبوتری بھی جس نے وہاں انڈے دے رکھے تھے ، یہ بھی اللہ کا لشکر ہی تھی ۔ اس نے ایک چوکیدار کی طرح نبی ﷺ کا ساتھ دیا۔ کبوتر کی آواز نے بھی کافروں کو متاثر کیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کبوتر کا یہاں ہونا بھی ثابت کرتا ہے کہ اس غار میں کوئی نہیں آیا۔

غار ثور کے مددگاروں میں مکڑی اور کبوتر کمزور ترین جانور تھے لیکن اللہ کے حکم سے یہ دونوں کمزور ترین جانور اللہ کے سپاہی بن کر نبی ﷺ کے مددگار بن گئے اور دو مجاہدوں کی طرح اپنا فریضہ ادا کیا۔ گھوڑا اور اونٹ بھی محمد ﷺ کے مددگار تھے۔ آج جیپ، ٹینک اور توپ نے گھوڑے کی جگہ لے لی ہے۔ یہ سب مخلوقات اللہ کے اذن سے مسلمانوں کی مدد کرتی ہیں اور جب اللہ حکم دے تو کبھی کبھار مدد نہیں بھی کرتیں۔

مدد کے یہ سب طریقے مخلوقات کے ذریعے ہیں۔ سب مخلوقات اللہ کے حکم کی پابند ہیں گو ہمیں بے شعور نظر آتی ہیں۔ بعض جانوروں کو ہم حقیر سمجھتے ہیں لیکن اللہ کی یہ ایک اہم مخلوق ہوتی ہے۔ یہ اللہ کا کرم اور فضل ہے کہ مخلوقات نصرت الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اکثر ہمیں صاف پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی جانور کس طرح ہماری مدد کر رہا ہے لیکن بعض اوقات فوراً پتہ نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کروڑوں کے حساب سے ہیں۔ اسی طرح ان کی مدد کے انداز بھی مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ تاریخ میں جانوروں کی مدد کے بہت سے واقعات کا ذکر آتا ہے۔

انسانی ذرائع

غلبۂ اسلام کے لیے قوت کے دو اہم شعبے ہیں، ایک جان اور دوسرا مال۔ جان سے مراد مسلمان اور مسلمانوں کی جماعت ہے جو ایک نظم، ضبط اور قانون کے تحت سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر لڑتے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام عظیم اور خدا کا منظورِ نظر ہوتا ہے لیکن غلبۂ اسلام کے لیے اسے بھی ساتھیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال ۸:۶۲)

اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لیے اللہ کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمہاری تائید کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ (الصّف ۶۱:۱۴)

اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ (الانفال۸:۷۴)

جولوگ ایمان لائے اوراللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔

مجاہدین اسلام کی منضبط جماعت وہ اصل طاقت ہے جو اللہ اوراس کے دین کی مددگار ہوتی ہے۔ان مسلمانوں کوتعلیم وتربیت دے کرسیسہ پلائی دیوار بنانا ایک محنت طلب کام ہے۔ ہرصلاحیت اوراہلیت کے مطابق ذمہ داری اور ہر اخلاص کے لیے عمدہ کارکردگی کے مواقع بھی جماعت مہیا کرتی ہے ۔مخلص اور سچے مسلمانوں کو بامقصداور متوازن اصولوں کے ذریعے اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف رکھنا امیرالمومنین کی ذمہ داری ہے۔کارکن سازی کی تفصیلات باب ’’جماعت‘‘ کے صفحات میں بیان ہوچکی ہیں۔

فوق الفطری طریقے

جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سب فطری قوانین کے مطابق ہوتا ہے لیکن اس معمول کی زندگی سے ہٹ کر بعض اوقات غیر معمولی طریقوں سے بھی اللہ اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ان طریقوں میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

عذاب الٰہی

تمام فطری اور تخلیقی عوامل اللہ کے باغیوں کے لیے عذاب الٰہی بن جاتے ہیں۔قوم عاد کو طوفانی ہوا نے ختم کر دیا اور ھود علیہ السلام کو بچا لیا۔زلزلہ نے صالح علیہ السلام کی مدد کی اور قوم ثمود کو تباہ کر دیا۔بحیرہ قلزم نے موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی۔سمندر کا پانی اس طرح تقسیم ہو گیا کہ بارہ سڑکیں بن گئیں اور درمیان میں پانی پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا:

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾ (الشعراء ۲۶:۶۳)

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ ’مارا اپنا عصا سمندر پر‘ یکا یک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا۔

جب بنی اسرائیل سمندر پار چلے گئے تو فرعون بھی کنارے پر آ گیا۔فرعون نے سوچا کہ میں بھی گزر جاؤں گا لیکن یہ پانی فرعون کے لیے عذاب الٰہی بن گیا۔یہ اللہ کا خاص حکم تھا کہ وہ سمندر جو بنی اسرائیل کے لیے سڑک بنتا ہے،فرعون اور اس کی فوج کے لیے غرقابی کا ذریعہ بن جاتا ہے:

فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾ (الحاقہ ۶۹:۵،۶)

تو ثمود ایک سخت حادثہ سے ہلاک کیے گئے۔اور عاد ایک بڑی شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیے گئے۔

آج بھی اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی مدد اس طرح کر سکتا ہے کہ اپنے اور مسلمانوں کے دشمنوں پر کوئی عذاب مسلط کر دے جیسے سیلاب،زلزلہ،طاعون،ایڈز وغیرہ۔

اللہ کی فوج اور غیر مرئی قوتیں

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (التوبہ ۹:۲۶)

پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول ﷺ پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکرا تارے جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کرتے ہیں۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ ۹:۴۰)

تم نے اگر نبی ﷺ کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں۔ اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ ''غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے۔ اللہ زبردست دانا و بینا ہے۔

فرشتوں کے علاوہ بھی کچھ غیر مرئی قوتیں ہیں جن سے اللہ اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ ان میں غیر مرئی شعاعیں بھی ہو سکتی ہیں اور ایسی مخلوقات بھی جو ہمارے علم میں نہیں ہیں۔ معجزے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ اللہ کا کام ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں کی کیسے مدد کرتا ہے؟ کن ذرائع سے کرتا ہے؟ کس وقت کرتا ہے؟ اور کن حالات میں کرتا ہے۔؟

معجزات

کفار مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر پیغمبر خدا کا بھیجا ہے تو وہ کوئی خاص نشانی دکھائے جس سے

ثابت ہو کہ وہ اللہ رب العالمین کا نمائندہ ہے۔ چنانچہ اولوالعزم پیغمبروں کے بہت سے معجزے قرآن میں بیان ہوئے ہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو سانپ بنا دیا جانا۔ اس سانپ کے معجزے نے کئی مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی ۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن معجزہ دیکھ کر ڈر گیا اور ان کو قتل نہ کر سکا۔ جادوگر بظاہر غالب آرہے تھے لیکن عصا کے سانپ نے تمام جادو کے سانپوں کو نگل لیا اور موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آ گئے:

وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اور ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگلے جاتا ہے یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں ۔ یہ تو جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا خواہ کسی شان سے وہ آئے۔ (طٰہٰ ۲۰:۶۹)

عصا مارنے کے بعد سمندر میں سڑکیں بن گئیں اور بنی اسرائیل پار ہو گئے لیکن فرعون کی فوج کے لیے غرقابی کا ذریعہ بن گئیں ۔ یہ رسول اللہ علیہ السلام کی معجزانہ مدد تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں موجود تھے اور کافر بالکل غار کے قریب پہنچ گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے معجزے سے کافروں کے دل پھیر دیے۔ اس طرح اللہ نے نازک موقع پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی ۔ ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں پھینک دیا۔ آگ اللہ کے حکم سے ابراہیم علیہ السلام کے لیے گلزار بن گئی:

قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم علیہ السلام پر۔ (الانبیاء ۲۱:۶۹)

آج نبی علیہ السلام موجود نہیں کہ ہمارے ساتھ اس طرح کے معجزے پیدا ہوں جس طرح ماضی میں ہوا کرتے تھے لیکن اگر ہم اللہ کی مدد کی شرائط کی پابندی کریں جن کا آگے ذکر آ رہا ہے تو اللہ کے حکم سے آج بھی آگ ٹھنڈی ہو سکتی ہے۔ آج بھی اللہ کے معجزے ایک نئی شکل میں وارد ہو سکتے ہیں ۔ اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ جو خرق عادت اور فوق الفطری معاملات ہوتے ہیں،

یہ الجھن اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ لفظ دین کے معنی پر غور کریں۔ دین کے لغوی معنی ہیں غالب قوت، غالب قانون، غالب نظام زندگی۔ دین اسلام کا مطلب یہ ہے کہ ایسا غالب قانون جس کی برتری تسلیم کرلی جائے۔قوت اور غلبہ اس کی ساخت میں ہی شامل ہے۔

اسلام دین حق ہے۔ یہ غالب ہونے کے لیے ہی بنا ہے۔اس کے ثمرات اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں جب یہ غالب ملکی قانون کا روپ دھار لیتا ہے۔قانون ایک انسانی طریقہ ہےاس لیے اسے غالب قانون کا درجہ بھی انسان ہی دیتے ہیں۔ معاشرے میں تبدیلی سیاسی یا عسکری قوت ہی سے ممکن ہے۔صرف وعظ ونصیحت سے کوئی ضابطہ اخلاق یا قانون نہیں بدلتا۔ وعظ کی پشت پر جب قوت ہوتی ہے تو پھر وعظ بھی مؤثر ہوتا ہے۔

چندافراد کوتو دعوت وتلقین سے متاثر کیا جاسکتا ہے لیکن پوری قوم اور پورا ملک سیاسی، مالی اور عسکری قوت کے بغیر کسی قانونی تبدیلی کو قبول نہیں کرتا۔ اس لیے اصلاحی تبدیلیوں کے لیے سیاسی اور قانونی ذرائع پر انحصار کیا گیا ہے۔ پہلے سے قائم شرک اور کفر کا باطل نظام، اسلام کو اپنی موت سمجھتا ہے۔ وہ اللہ کے دین کو مٹانا اپنی زندگی اور وجود کے لیے ضروری سمجھتا ہے۔ دنیا میں ایک وقت میں حق اور باطل دونوں نظاموں میں سے ایک ہی چل سکتا ہے باطل حق کو مٹانا چاہتا ہےاور حق باطل کو مغلوب کرکے اپنے آپ کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہ مجاہدہ ومقابلہ زندگی کے ہر شعبے میں ہوتا ہے۔یہ کشمکش صدیوں سے جاری ہے۔

اہل اللہ اس نظام حق (اسلام) کو غالب کرنے کے لیے باطل پرستوں سے برسرِپیکار ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ جدوجہد ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے نام سے پکارتا ہے یعنی اللہ کی رضا کے لیے اقامتِ دین کی جدوجہد کرنا اللہ کی مدد ہے، اللہ کی مدد ہی ہے اللہ کے رسول ﷺ کی مدد ہے۔

قرآن نے مختلف مقامات پر تین سورتوں یعنی سورۃ الفتح، سورۃ الصّف اور سورۃ التوبہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد واضح طور پر دین اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب ونافذ کرنا ہی بتایا ہے:

هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (توبہ۹:۳۳) وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کر دے۔

هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح۴۸:۲۸) وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کر دے۔

هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف۶۱:۹) وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے۔

نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعاون سے مدنی دور میں دین حق کو نافذ کر دیا۔ اس جدوجہد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جان اور مال سے بھر پور ساتھ دیا۔ یہ سنت انبیاء علیہ السلام ہے۔ پرانے زمانے میں بھی اولوالعزم پیغمبروں نے جہاد اور قتال کیا اور اس زمانے کے صالحین نے ان کا ساتھ دیا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ (آل عمران۳:۱۴۶) اور اس سے پہلے کتنے ہی نبی علیہ السلام ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ سرنگوں نہیں ہوئے ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ (نیز وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں، یہ لوگ اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور

هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحشر۵۹:۸) اس کے رسول ﷺ کی حمایت پر کمر بستہ ہیں۔یہی راست باز لوگ ہیں۔

ہجرت کے نازک وقت غارِ ثور میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی تو قران سے ثابت ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ۹:۴۰)

تم نے اگر نبی ﷺ کی مدد نہ کی تو کچھ پرواہ نہیں، اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا ’’غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔‘‘ اس وقت اللہ نے اس پر سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا، اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے، اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے

اصحاب کے معانی ہیں ساتھ دینے والے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی ہر پکار پر لبیک کہا۔میدان جنگ اور معاشی و معاشرتی مشکلات میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا۔ جنگ بدر میں ۳۱۳، جنگ احد میں ۷۰۰ افراد موجود تھے۔اللہ نے معجزوں کے ذریعے اپنے رسول ﷺ کی مدد کی لیکن قانون کی تبدیلی کے لیے انسانی ذرائع سے بھی مدد کی ضرورت تھی، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوری کر دی اور اس طرح خلافت راشدہ کا نظام قائم ہوا۔

محمد ﷺ کی ختم نبوت کے بعد نبی ﷺ تو موقع پر موجود نہیں۔اس خلا کو پر کرنے کے لیے اسلام نے امیر المومنین یا خلیفۃ الرسول کا عہدہ تجویز کیا ہے۔موجودہ حالات میں اللہ کی مدد کے حصول کے لیے امیر المومنین کا مرکزی عہدہ پر فائز ہونا ضروری ہے۔ یہ امیر المومنین بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح ایک مخلص اور صحیح خلیفہ ہونا چاہیے۔آج کل کے جعلی صدور اور منافق حکمرانوں سے خدا کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔مجاہدین کی رہنمائی کے لیے امیر المومنین کا صالح اور

قابل اعتماد ہونا لازم ہے۔ محمد ﷺ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب یہ اس امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ غلبہ اسلام اور اقامت دین کے لیے جہاد کرے:

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الصّف ۶۱:۱۱)

تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (التوبہ ۹:۴۱)

نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

اللہ کی طرف سے مدد حاصل کرنے کی اولین شرط ہی یہ ہے کہ مسلمان خالص اللہ کی رضا کے لیے اس کے دین کو اپنے اوپر نافذ کرے، اپنے جیسے دوسرے انسانوں پر نافذ کرے، اپنے ماحول اور معاشرے پر نافذ کرے حتیٰ کہ پورا ملک اور پوری قوم اسلام کو غالب قانون کی حیثیت سے قبول کر لے۔ جب بھی دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کی جائے گی تو اللہ کی طرف سے ہر قسم کی مدد موقع و محل کے مطابق ملے گی۔ یہ اللہ کا کام ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ بندوں کی کس طرح مدد کرتا ہے؟

آزمائش

مدد کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ جہاد کے ہر دعوے دار کی آزمائش ضرور کرتا ہے کہ یہ دعویٰ کرنے والا مخلص اور سچا ہے یا صرف زبانی اقرار کرتا ہے؟ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ کب اور کس طرح لوگوں کو آزماتا ہے؟ آزمائش کا مضمون تفصیلاً لکھا جا چکا ہے۔ یہاں چند فقروں کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

آزمائش اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان کا سچ اور جھوٹ نکھر جائے۔ اللہ کو تو علم ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا لیکن اللہ تعالیٰ سارے فیصلے اپنے ذاتی علم کے مطابق نہیں کرتا بلکہ وہ

لوگوں کے اعمال کی گواہیاں اکٹھی کرتا ہے۔ آزمائش میں ایک مسلمان نہیں ایک وقت میں کئی مسلمان آزمائے جاتے ہیں۔ پوری سوسائٹی گواہ بن جاتی ہے۔ انسان کے اپنے عوارض مستقل اور پکے گواہ بن جاتے ہیں کہ فلاں آزمائش میں ہمارا کردار کیا تھا۔ سورۃ العنکبوت کا پورا ایک رکوع اس مضمون پر بحث کرتا ہے۔ قرآن نے پوری وضاحت سے آزمائش کا قانون بیان کر دیا ہے۔ رہے آزمائش کے طریقے تو وہ کئی ہزار ہیں:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (البقرہ ۲:۱۵۵)

اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے، اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (البقرہ ۲:۲۱۴)

پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے، ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول علیہ السلام اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۳:۸)

تا کہ سچے لوگوں سے (ان کا رب) ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور کافروں کے لیے تو اس نے دردناک عذاب مہیا کر ہی رکھا ہے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (الاحزاب ۳۳:۱۱)

اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔

جنگ ایک بڑی آزمائش بن جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کو پانی پینے پر آزما لیا گیا:

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ ۚ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۖ وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ (البقرۃ ۲:۲۴۹)

پھر جب طالوت لشکر لے کر چلا تو اس نے کہا ایک دریا پر اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہونے والی ہے جو اس کا پانی پیے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔ ”میرا ساتھی صرف وہ ہے جو اس سے پیاس نہ بجھائے، ہاں ایک آدھ چلّو کوئی پی لے تو پی لے“ مگر ایک گروہ قلیل کے سوا وہ سب اس دریا سے سیراب ہوئے۔ پھر جب طالوت اور اس کے ساتھی مسلمان دریا پار کر کے آگے بڑھے تو انہوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے انھوں نے کہا بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے، اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

آزمائش کے لیے بعض اوقات چھوٹی کامیابی ایک عارضی شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ غلامی اور تشدد کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ جان و مال کا نقصان ہو جاتا ہے۔ ہجرت ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ بھوک، بیماری، پیاس، لباس، چھت کا نہ ہونا ایسے بہت سے عوامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ایمان کے ہر دعوے دار کو آزماتا ہے۔ جب لوگ اپنے قول اور فعل سے ثابت کر دیتے ہیں کہ وہ سچے اور مخلص ہیں تو اللہ کی رحمت کے خزانے کھل جاتے ہیں۔ پھر کائنات کی ہر چیز ان کی مددگار ہوتی ہے۔ زمین ہوا، بارش، آندھی، طوفان، پتھر، جانور غرض سبھی مخلوقات ان کی معاون و مددگار ہوتی ہیں۔

مکمل اتباع دین

کوئی کام بھی اگر نامکمل کیا جائے تو اس کے نتائج صحیح نہیں نکلتے مثلاً کاشت کاری کے لیے زمین، پانی، بیج، ہل چلانا، گوڈی کرنا وغیرہ مختلف کاموں کی ضرورت ہے۔ سب کاموں کو ملا کر کاشت کاری کرنے سے اچھی زمین اچھی پیداوار دیتی ہے۔ ایک کاشت کار کے پاس زمین تو ہے لیکن پانی، بیج، کھاد اور ہل موجود نہیں تو وہ کیسے کاشت کاری کر سکے گا؟ مانگے تانگے سے اگر وہ زمین کاشت بھی کرتا ہے تو پیداوار اخراجات سے تھوڑی ہوگی اور کاشت کاری خسارے کا سودا بن جائے گی۔ بس یہی حال اقامت دین کی اس جدوجہد میں تکمیل دین کا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرۃ ۲:۲۰۸)

جب تک مسلمان پورے پورے اسلام میں داخل نہیں ہوتے اللہ کی طرف سے کسی رحمت، فضل اور امداد کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔

اصولِ انقلاب کی پابندی

گندم کے بیج سے گندم کا پودا اُگتا ہے اور آم کی گٹھلی سے آم کا درخت۔ یہ ناممکن ہے کہ گندم کے بیج سے آم اُگ آئے۔ اسی طرح اسلام کے اصول انقلاب کی پابندی سے اسلام غالب آسکتا ہے۔ اقامت اسلام کے لیے غیر اسلامی طریق کار مفید نہیں ہوتا۔

جس اللہ نے دین کو مکمل کر کے بھیجا ہے، اس نے بڑی تفصیل سے اپنے دین کو غالب کرنے کے اصول قوانین اور طریقے واضح کیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا

تم سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں مگر اس تکذیب پر اور ان اذیتوں پر جو انہیں پہنچائی گئیں انھوں

مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ (الانعام ۶:۳۴) نے صبر کیا۔ یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اللہ کی باتوں کو بدلنے کی قوت کسی میں نہیں ہے۔

ہر کام قانون کا پابند ہے۔ قانون فطرت سے ہٹ کر جب کام کیا جاتا ہے تو وہ صحیح انداز میں نہیں ہو پاتا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دین غالب ہو تو پھر ہمیں قرآن مجید اور احادیث سے ان اصولوں کا مطالعہ کرنا چاہیے اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر ان اصولوں کا علم اور ان پر عمل درآمد سیکھنا چاہیے۔

بعض لوگ کمیونزم یا فاشزم کے طریقوں سے اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لیے عرض ہے کہ فاشزم کے اصولوں سے فاشزم ہی آ سکتا ہے۔ اسلام آئمۃ الکفر کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے یا ان لوگوں کو قتل کی اجازت دیتا ہے جو میدان جنگ میں آمنے سامنے ہوں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے معاملات میں اسلام اور فاشزم میں بہت واضح فرق ہے۔

یہاں مطلوب دو نظاموں میں فرق کرنا نہیں، یہ بات سمجھانا ہے کہ ہر نظام کے اپنے اپنے اصول وقواعد ہوتے ہیں۔ اسلام جب بھی قائم ہوا ان اصولوں کی پیروی کے بعد نافذ ہوا جو اللہ نے خود تشکیل دیے ہیں۔ اگر مجاہد فی سبیل اللہ اپنے طور پر کوئی ترمیم کر لیں اور کسی اصول کو بدل لیں تو جیتی ہوئی جنگ ہار دی جاتی ہے۔ اسے عرف عام میں بدعت کہتے ہیں۔ اللہ کے ہاں بدعت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ کی رحمت، اللہ کی محبت اور اللہ کی مدد ان شرائط پر چلتی ہے جو اللہ نے خود طے کی ہیں۔

یہ غلط فہمی دور کر لینی چاہیے کہ پسندیدہ عمل وہ ہے جسے اللہ پسند کرے، وہ عمل نہیں جسے انسان از خود سمجھ لے کہ یہ پسندیدہ عمل ہے۔ رہا یہ سوال کہ اسلامی انقلاب کے اصول کیا ہیں؟ تو اس مضمون میں بہت سے اصول بیان ہو چکے ہیں بلکہ کتاب کا مرکزی موضوع ہی اصول انقلاب ہے۔

اخلاقی قوت

اخلاقیات کی علمانے دو قسمیں بیان کی ہیں۔

☆ بنیادی انسانی اخلاقیات مثلاً محنت، قربانی، یقین وغیرہ

☆ اسلامی اخلاقیات مثلاً صبر، تقویٰ، احسان وغیرہ

قوموں کے عروج وزوال کی داستان بار بار دنیا میں دہرائی جاتی ہے۔اس میں یہ بات واضح ہے کہ جب کسی قوم کے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، اخلاق بہتر ہوتے ہیں تو وہ دوسری قوموں پر جو اخلاقی نقطہ نظر سے پست ہوں، غالب آجاتی ہے مثلاً یورپ میں بہت سی خرابیاں ہیں لیکن ان میں سے غالب قومیں کاروبار میں سچ کی پابندی کرتی ہیں۔محنت اور قربانیوں سے دریغ نہیں کرتیں۔جب بنیادی انسانی اخلاقیات بناؤ کی طرف جھکتے ہیں تو قوم ترقی کرتی ہے اور جب اسی قوم کے اخلاق بگاڑ کی طرف جھکتے ہیں تو قوم دوسروں کی غلام ہو جاتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

آ تجھ کو بتاتا ہوں تاریخ امم کیا ہے

شمشیر وسناں اول، طاؤس ورباب آخر

اسلامی اخلاقیات کے حوالے سے مدینہ کے اصحاب رسول ﷺ کے اخلاق اور آج مسلمانوں کے اخلاق کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہماری پستی وذلت کی وجہ ہی یہ ہے کہ ہم نے اصحاب رسول ﷺ کے اخلاقیات کو چھوڑ دیا ہے۔بقول علامہ اقبالؒ:

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

آج بھی اگر ہم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بنیادی انسانی اخلاقیات اور اسلامی اخلاقیات کو اپنانا ہوگا۔جب ہم اسلام کے مطلوبہ معیار اخلاق پر پورا اتریں گے تو پھر اللہ کی مدد آئے گی۔اسلام ایک پاکیزہ دین ہے۔اسے اللہ تعالیٰ متقی ومحسن ہاتھوں میں دے کر سر بلند کرنا

چاہتا ہے۔ برے اخلاق والوں کو یہ نعمت نہیں مل سکتی۔ اسلام کو سر بلند کرنے والے لوگ اخلاق اعتبار سے بہت اعلیٰ انسان ہوتے ہیں۔ اسلام کو غالب کرنا نبی علیہ السلام کا کام ہے۔ امتی کو بھی نبی علیہ السلام کے اخلاق اپنانے چاہئیں تا کہ وہ دین کا کام کر سکے۔ اخلاق نقطہ نظر سے جو مجاہد نبی ﷺ کا صحیح پیرو ہوگا، اسی نسبت سے اللہ اس کی مدد کرے گا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ (الاحزاب۳۳:۲۱)

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ — تم لوگوں کے لیے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے (الممتحنہ ۶۰:۴)

افرادی قوت کی نسبت

مجاہدین اسلام کی تعداد بدلتی رہتی ہے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اور دعوتی زمانے میں افرادی قوت ہمیشہ تھوڑی ہوتی ہے۔ جوں جوں حالات بدلتے ہیں قوت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مکہ میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰ سے زیادہ نہ تھی، غزوۂ بدر میں ۳۱۳، غزوۂ احد میں ۷۰۰ اور حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد ۲۵،۰۰۰ تھی۔ قرآن نے تعداد کے بارے میں چار مختلف صورتیں بتائی ہیں۔

کوئی نسبت نہیں

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ — بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے (البقرہ۲:۲۴۹)

یہ آیت کریمہ ہمیں بتاتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے تھوڑے بنی اسرائیل کو کافروں کی زیادہ تعداد پر فتح دی۔ بنی اسرائیل طالوت کی سربراہی میں بہت تھوڑے تھے اور جالوت کا لشکر

بہت بڑا تھا۔اللہ تعالیٰ نے طالوت کے لشکر کی مدد کی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (الانفال ۸:۲۶)

یاد کرو وہ وقت جبکہ تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا، تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی۔ اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کیے اور تمہیں اچھا رزق پہنچایا، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

یہ آیت مدینے کے ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔ جس طرح تھوڑے سے بنی اسرائیل کو جالوت پر فتح دی۔ اسی طرح مدینے کی قلیل تعداد کو مکہ اور اطراف مدینہ کے کثیر کافروں پر غلبہ عطا کیا۔ اس آیت کریمہ میں نسبت کا اصول نہیں۔ بس اللہ کی مدد کی ایک صورت بیان کی ہے کہ وہ کس طرح کمزور اقلیت کو غلبہ عطا کرتا ہے۔

ایک اور دس کی نسبت

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (الانفال ۸:۶۵)

اے نبی ﷺ مومنوں کو جنگ کے لیے ابھارو اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

ایک اور دو کی نسبت

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا

اچھا اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی تم میں کمزوری ہے پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر اور ہزار آدمی ہوں تو وہ دو ہزار پر اللہ

اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ کے حکم سے غالب آئیں گے اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔ (الانفال ۸:۶۶)

اکیلے شخص کی مدد

کبھی کبھار اللہ تعالیٰ اکیلے شخص کی بھی مدد کرتا ہے اور وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ طاغوتی طاقتوں پر غالب آجاتا ہے۔اس کی بہترین مثال ابراہیم علیہ السلام تھے۔آپ نے ۳۰/۴۰ سال نمرود کے شہر اُر میں تبلیغ واشاعت کا کام کیا۔نمرود اور اس کے خاص و عام تک اللہ کا پیغام پہنچایا لیکن ایک شخص بھی مسلمان نہیں ہوا۔بت شکنی کے جرم میں آپ کو آگ میں ڈال دیا گیا۔اللہ کے حکم سے آگ گلزار بن گئی۔اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے باوجود نمرود اپنی ساری فوج ابراہیم علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے لے آیا۔اللہ تعالیٰ نے مچھروں سے نمرودی فوج کو شکست دی اور نمرود ذلیل ہو کر مرا۔اس کے بعد حضرت سارہ اور لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے اور آپ نے فلسطین کی طرف ہجرت کی۔

یوسف علیہ السلام بھی اکیلے تھے۔جیل میں قید تھے۔اللہ تعالیٰ نے خصوصی مدد کی اور ان کو مصر کا حکمران بنا دیا۔بغیر کسی فوج کے اپنے حسن اخلاق، دیانت اور اللہ کی مدد سے آپ نے مصر میں اسلامی حکومت قائم کر دی جو ۵۰۰ سال تک چلتی رہی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رستم کے فریب کی وجہ سے ۲۰۰ دشمنوں میں پھنس گئے۔باقی مسلمان فوج کافی پیچھے تھی۔اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد سے ۲۰۰ جنگجو ایرانیوں کا گھیرا توڑ کر مسلمان فوج سے آن ملے۔

طبرانی کی ایک حدیث میں حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ وَ يَضْحَكُ اِلَيْهِمْ وَ يَسْتَبْشِرُ بِهِمْ ، اَلَّذِيْ اِذَا انْكَشَفَتْ فِئَةٌ قَاتَلَ وَرَآءَ هَا تین قسم کے لوگ جو اللہ کو محبوب ہیں وہ انہیں دیکھ کر مسکراتا ہے اور ان سے خوش ہوتا ہے۔اول وہ مجاہد کہ جب فوج کا کوئی دستہ بھاگ کھڑا ہو تو یہ جما رہے اور

بِنَفْسِهٖ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ، فَاِمَّآ اَنْ يُّقْتَلَ، وَ اِمَّآ اَنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَ يَكْفِيَهُ ، فَيَقُوْلُ انْظُرُوْآ اِلٰى عَبْدِىْ هٰذَا كَيْفَ صَبَرَ لِىْ بِنَفْسِهٖ ، وَالَّذِىْ لَهٗ امْرَاَةٌ حَسَنَةٌ وَّ فِرَاشٌ لَّيِّنٌ حَسَنٌ فَيَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَقُوْمُ يَذَرُ شَهْوَتَهٗ وَيَذْكُرُنِىْ ،وَلَوْ شَآءَ رَقَدَ ،وَالَّذِىْٓ اِذَا كَانَ فِىْ سَفَرٍ وَّ كَانَ مَعَهٗ رَكْبٌ فَسَهِرُوْا ثُمَّ هَجَعُوْا ، فَقَامَ مِنَ السَّحَرِ فِىْ ضَرَّآءَ وَ سَرَّآءَ (زادراہ صفحہ: ۱۴۹)

اللہ عزوجل کی خاطر لڑتا رہے پھر یا تو قتل ہو جائے یا اللہ اس کی مدد فرمائے اور اسے فتح نصیب ہو تو اللہ فرشتوں سے کہتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو میری خاطر کس طرح (یہ میدان جنگ میں ڈٹا رہا) اس نے میرے لیے صبر کیا۔ دوسرا وہ شخص جو رات کو نرم و نازک بستر پر اپنی بہترین بیوی کے ساتھ سویا ہوا ہے لیکن تہجد کے وقت یہ اٹھتا ہے اور اللہ کے حضور کھڑا ہو جاتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ دیکھو! یہ اپنی میٹھی نیند (اور شہوت) کو چھوڑتا ہے اور مجھے یاد کرتا ہے حالانکہ اگر چاہتا تو سویا رہتا۔ تیسرا وہ شخص جو سفر میں ہو، قافلے میں بہت سے اور لوگ ہوں۔ وہ کچھ دیر جاگ کر سو گئے لیکن یہ شخص آخر شب میں اٹھا تہجد کی نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ تکلیف کی حالت میں بھی پڑھتا ہے اور آرام کی حالت میں بھی پڑھتا ہے۔

کم تعداد کے مسلمانوں کو لڑنے کا حکم ہی نہیں۔ انہیں دعوت اور تعلیم و تربیت سے کام کرنے کا حکم ہے۔ جب کافروں کے مقابلے میں ایک معقول تعداد فراہم ہو جائے تو پھر جنگ کا حکم ملتا ہے۔ یہ طریقہ نبی ﷺ سے ثابت ہے اور آج بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ آج کوئی جماعت اگر اقامت دین کے لیے اٹھتی ہے تو اسے بھی پہلے دن جنگ کا حکم نہیں ہے۔ کچھ عرصہ خاموشی سے دعوت و تبلیغ کا کام کر کے ایک مضبوط بنیاد بنانے کا حکم ہے۔ جب مناسب وسائل اور ماحول مل جائے تو پھر جہاد کا حکم ہے۔

تھوڑی تعداد پر مدد کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا ہے۔ مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کے متقی اہل علم کو صرف یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہے کہ کن حالات میں جنگ کرے۔ مجلس شوریٰ کے

جنگ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار مخصوص حالات کے تناظر میں ہے۔عام معمول کی زندگی کا حکم یہی ہے کہ مسلمان کافروں کے مقابلے میں کم ازکم ایک اور دو کی نسبت ہوں۔ یہ مقابلہ عسکری قوت کا ہے عام آبادی کا نہیں۔بعض اوقات حالات کی مجبوری سے قلیل تعداد کے ساتھ ہی جنگ شروع ہوجاتی ہے۔ایسے میں اگر اہل حق شرائط فتح کی پابندی کریں تو ان کو اللہ کی امداد مل سکتی ہے۔

کسی بھی کام میں دو ضابطے کام کرتے ہیں۔

(الف) روزمرہ کا فطری ضابطہ (ب) استثنائی ضابطہ،خرق عادت،معجزہ

عام کاروبار زندگی ایک معمول کے ضابطے پر چلتا ہے۔معجزات کبھی کبھی ہوتے ہیں۔ معمول کی زندگی تو یہ ہے کہ دونوں فریق برابر کی قوت ہوں لیکن ایمان اور تقویٰ کی وجہ سے مسلمانوں کو رعایت ہے کہ ایک اور دو کی نسبت ہوسکتی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جنگوں سے ثابت ہے کہ ایک اور دس کی نسبت میں بھی مسلمان کامیاب رہے ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کی کہانی سے بھی یہ اصول ثابت ہے آپ کے حواری ۱۲ تھے۔کم تعداد کی وجہ سے ان کو حکم جہاد نہیں ملا تھا اس لیے آپ کی گرفتاری کے وقت کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ یحییٰ علیہ السلام تو اکیلے تھے ان کا کوئی بھی ساتھی نہ تھا اس لیے وہ گرفتار ہوگئے اور ان کو شہید کردیا گیا۔امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ بھی یہی تعداد کی قلت تھی۔ان تینوں مثالوں میں کوئی معجزہ واقع نہیں ہوا۔معجزہ اس وقت واقع ہوا جب عدالت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دینے کا فیصلہ کردیا تو اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام کو اٹھالیا۔اعتراض کرنے والا اعتراض کرتا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام اور امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں کے ساتھ معجزے کیوں پیش نہیں آئے؟ اس کا جواب ہے اللہ کی مشیت۔ یہ فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے کہ کس بندے کو کس قسم کی مدد کب اور کیسے پہنچائی جائے؟ انسان صرف اللہ سے مدد کی درخواست کرسکتا ہے اسے قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ کا کام ہے۔اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بھی کچھ اصول ہیں جن کی وہ پابندی کرتا ہے۔مدد کرنے یا نہ کرنے کا آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔جب چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔اللہ کی راہ شہید ہونا بھی ایک انعام الٰہی اور مشیت ایزدی کا تقاضا ہے۔میں تو شہادت کو بھی اللہ کی توفیق اور مدد ہی سمجھتا ہوں۔

قانون فطرت کی پابندی

یہ اللہ کا واضح حکم ہے کہ کافروں سے لڑنے کے لیے گھوڑے اور اسلحہ حسب ضرورت مہیا کرو:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (الانفال ٨:٦٠)

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور دوسرے ان اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے، اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

حضور ﷺ نے جنگ احزاب میں خندق کو بطور ایک جنگی چال کے استعمال کیا۔ کافر خندق کے طریقے سے لڑنے سے آگاہ نہیں تھے اس لیے وہ اس جنگ میں ناکام رہے۔ قرآن کا حکم، نبی ﷺ کا طریقہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ثابت کرتا ہے کہ حسب حالات کافروں کے مقابلے میں جنگی ساز و سامان مہیا ہونا چاہیے۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ ایٹم بم کے مقابلے میں اگر کوئی تلوار لے کر چلتا ہے تو ناکام ہے۔ ایٹم بم کے مقابلے میں ایٹمی قوت کا ہونا ضروری ہے۔

محاذِ جنگ کے علاوہ بھی بہت سے محاذ ہیں جن پر لڑنا پڑتا ہے مثلاً نظریات کا محاذ، ابلاغِ عام کا محاذ، معاشی اور صنعتی محاذ۔ عوامی اتفاق و اتحاد بھی جنگی محاذوں میں سے ایک محاذ ہے۔ اس لیے جنگی حکمت عملی بناتے وقت ان دوسرے محاذوں پر بھی مناسب منصوبہ بندی ضروری ہے۔ توازن اور حکمت سے چوکھی لڑائی لڑی جاتی ہے۔ اگر قوم کا حوصلہ (مورال) گر جائے تو تمام تر اسلحہ کے باوجود جنگ ہار دی جاتی ہے۔ اگر کمپیوٹر چلانے والے ہاتھ ناتجربہ کار اور بزدل ہوں تو بھی جنگ ہار دی جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ سمع و اطاعت، سمع و بصر، طبیعات اور نفسیات کے جو

فطری قوانین اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں ان کی پابندی کی جائے۔ اسلحہ کی فراہمی اور مقابل فریق کے ہر قسم کے ہتھکنڈوں کا جواب دینے کی صلاحیت پیدا کی جائے یہاں تک کہ اہل ایمان کا رعب مخالف فریق پر پڑ جائے۔

اٹھارویں صدی میں جب انگریز ہندوستان کے تخت پر قابض ہو گئے اور مسلمانوں کو اقتدار سے محروم کر دیا تو اس وقت بھی انگریز کو اسلحے اور جدید ٹیکنا لوجی کی برتری حاصل تھی۔ انگریز نے غداروں کو خریدا۔ نفسیاتی حربے استعمال کیے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلموں کو ساتھ ملایا۔ اس طرح بناؤ کے قانون کے تحت انگریز کا پلڑا اصولی طور پر بھاری تھا۔ مسلمان تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود تفرقہ، انتشار، منافقت، غداری، حرص دنیا اور لامرکزیت کا شکار تھے۔ ان کی عسکری قوت بھی پرانی اور کمزور تھی۔ جدید اسلحہ سے محروم تھے اس لیے قانونِ فطرت کی رو سے مسلمانوں کا پلڑا ہلکا تھا۔

سکھوں کی جنگ میں ناکامی کی ایک وجہ یہ تھی کہ انگریز کے پاس بندوق اور سکھ کے پاس تلوار تھی۔ ٹیپو سلطانؒ نے فراہمی اسلحہ اور اپنی فوج کی بہادری کی وجہ سے خوب مقابلہ کیا لیکن غداروں نے اسے شکست دلوائی۔ غداروں نے ہمیشہ اسلامی حکومت کو ختم کروایا ہے۔ قوانین فطرت خواہ عسکری ہوں، مالی، اخلاقی یا معاشرتی، سب کی پابندی ضروری ہے۔ ایک دن کی پابندی نہیں بلکہ آخری لمحات تک پابندی ضروری ہے۔ جو لوگ مستقل طور پر اللہ کی رہنمائی میں کام کرتے ہیں ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔

جماعت

ایک متفق اور متحد امت بن کر رہنا اسلام کی مرکزی تعلیم ہے۔ آپس میں تفرقہ، انتشار اور غداری کبیرہ گناہ ہیں۔ قرآن نے اس پہلو پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم

اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ (آل عمران ۳:۱۰۳)

ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا راستہ نظر آ جائے۔

وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۵﴾ (آل عمران ۳:۱۰۵)

کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد اختلافات میں مبتلا ہوئے۔

جو شخص جماعت سے کٹا رہے، اس کی حیثیت درخت سے کٹے ہوئے سوکھے پتے کی رہ جاتی ہے۔ اللہ کی مدد کے وعدے جماعت کے ساتھ ہیں اس لیے مسلمانوں کو ہزار اختلافات کے باوجود ایک بنیان مرصوص بن کر رہنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ امتِ محمد ﷺ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا:

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ (مشکوٰۃ حدیث:۱۶۳)

جماعت کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہوا وہ آگ میں تنہا ڈالا جائے گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ (مشکوٰۃ حدیث:۱۷۵)

جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا، اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جس طرح بکریوں کا دشمن بھیڑیا ہوتا ہے اور اپنے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی

بکریوں کا آسانی سے شکار کر لیتا ہے:

وَ اِیَّاکُمْ وَ الشِّعَابَ وَ عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَ الْعَامَّةِ (مشکوٰۃ حدیث:۱۷۴) تم پہاڑ کے دروں سے بچو اور جماعت اور مجمع کو لازم پکڑو

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾ اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (الصّف ۶۱:۴)

فتح اور نصرت کے لیے لازم ہے کہ مسلمان قوم کو بحیثیت ایک امت واحدہ تمام لسانی، گروہی، نظریاتی، فقہی اختلافات کو نظر انداز کر کے ایک مضبوط قوت بنا دیا جائے۔ بغداد، غرناطہ اور ڈھاکہ کی تباہی کی وجہ ہی صرف ایک تھی کہ مسلمان بحیثیت امت ایک جماعت نہ بن سکے۔ آج کی تفرقہ بازی کے بُرے نتائج تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

عمل صالح

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ (آل عمران ۳:۱۳۹)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور ۲۴:۵۵) اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں گے، وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے لیے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔ ان کی موجودہ حالت خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔

عام زندگی میں نیک اعمال انسان میں سیرت و کردار کی پختگی پیدا کرتے ہیں ۔ اللہ پر ایمان انسان کے اعتماد کو پختہ کرتا ہے، آخرت کا تصور انسان کو موت سے بے خوف کر دیتا ہے یعنی ایمان اور عمل صالح انسان میں بہادری، عقل مندی اور اعلیٰ اخلاقیات پیدا کر دیتے ہیں ۔ یہ تمام اعلیٰ صفات قانون فطرت کے تحت مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا حقدار بنا دیتے ہیں ۔ اگر دیگر ضروری شرائط فتح کی بھی پابندی ہو جائے تو اعمال صالح مدد کو یقینی بنا دیتے ہیں ۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے ۔ ایک نیکی دوسری نیکی کی تقویت کا باعث بنتی ہے ۔ مختلف اچھے کام جہاد کی راہ کو آسان بنا دیتے ہیں ۔ جہاد بہترین صالح عمل ہے ۔ عام لوگ نمازی اور متقی شخص کو صالح خیال کرتے ہیں اور کسی دیانت دار دوکاندار کو صالح تسلیم نہیں کرتے ۔ نماز، تزکیہ اور تقویٰ عمل صالح کی مختلف شکلیں ہیں ۔ قرآن نے عمل صالح کا جو تصور پیش کیا ہے وہ ساری زندگی پر محیط ہے ۔

اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست، کاروبار، معیشت، معاشرت، تعلیم اور اخلاق غرضیکہ بچپن سے بڑھاپے تک ساری زندگی کے جملہ معاملات کی اصلاح کی جائے ۔ ایک شخص پکا نمازی ہے لیکن اس کا گھریلو نظام خراب ہے، اس کا رزق حلال نہیں ۔ ایسا شخص قرآن کے مطابق صالح مسلمان نہیں بلکہ اس کی زندگی کے دو رنگ ہیں ۔ ایک نمازی کا رنگ اور دوسرا رزق حرام اور خراب گھر کا رنگ ۔ یہ دورنگی قرآن کی زبان میں منافقت کہلاتی ہے ۔ ایسے لوگوں سے اللہ نے فتح و نصرت کا کوئی وعدہ نہیں کیا ۔ روزمرہ زندگی کا ہر عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا قرآن اور سنت رسول ﷺ کے مطابق ہونا چاہیے ۔ جب مسلمان پورے کا پورا اللہ کی اطاعت میں داخل ہو جائے تب اس سے اللہ نے مدد کا وعدہ کیا ہے ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معیارِ حق کے مطابق صالحین میں سے تھے اس لیے اس امت کے پہلے امیر المومنین بنے اور خلافت راشدہ کی بنیاد ڈالی ۔

صبر و تقویٰ

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ پر

رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ (البقرہ ۲:۲۵۰)

پر نکلے، تو انہوں نے دعا کی ”اے ہمارے رب ہم پر صبر کا فیضان کر، ہمارے قدم جما دے اور اس کافر گروہ کے مقابلے میں ہماری مدد فرما“

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلَى الۡقِتَالِ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ (الانفال ۸:۶۵)

اے نبی ﷺ، مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو وہ منکرینِ حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ (البقرہ ۲:۱۵۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مدد لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ (آل عمران ۳:۱۴۶)

اس سے پہلے کتنے ہی نبی علیہ السلام ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ باطل کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔

لَـتُبۡلَوُنَّ فِىۡۤ اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ وَلَـتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ (آل عمران ۳:۱۸۶)

مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آ کر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝

بے شک اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں اسی آن تمہارا رب پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ (آل عمران ۳:۱۲۵)

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

اور اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو تمہارے خلاف ان کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس پر حاوی ہے۔ (آل عمران ۳:۱۲۰)

صبر و تقویٰ دو اہم نیک کام ہیں جن کی زندگی کے ہر شعبے میں ضرورت ہے۔ بیمار شخص کو ضرورت ہے، خاندانی زندگی میں ضرورت ہے، سیاست اور جہاد میں بھی ضرورت ہے۔ صبر اور تقویٰ مسلمان کے اخلاق و کردار کے لازمی اجزا ہیں۔ ہر لمحے، ہر آن، ہر جگہ ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس مسلمان کے پاس صبر اور تقویٰ کا فقدان ہے وہ نہ نماز صحیح پڑھ سکتا ہے، نہ کھانا ہی صحیح کھا سکتا ہے، سیاست اور جہاد تو اس کے بس سے باہر ہیں۔ وہ روزگار بھی صحیح انداز میں نہیں کما سکتا۔ اس لیے قرآن نے ان دونوں نیک اعمال کا ذکر بار بار کیا ہے۔ فتح اور نصرت کے باب میں اللہ کا وعدہ ہے کہ صبر اور تقویٰ سے مدد کا استحقاق بنتا ہے۔

توکل

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ (آل عمران ۳:۱۵۹)

اے پیغمبر ﷺ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو شریک مشورہ رکھو۔ پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر

مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ (المائدہ ۵:۲۳)

ان ڈرنے والوں میں دو شخص ایسے بھی تھے جن کو اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا انہوں نے کہا کہ ان جباروں کے مقابلہ میں دروازہ کے اندر گھس جاؤ جب تم اندر پہنچ جاؤ تو تم ہی غالب رہو گے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو۔

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ (الطلاق ۶۵:۳)

اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو، جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ (التوبہ ۹:۵۱)

ان سے کہو ہمیں ہرگز کوئی برائی یا بھلائی نہیں پہنچتی مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولا ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ (الانفال ۸:۶۴)

اے نبی ﷺ تمہارے لیے اور تمہارے پیرو اہل ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ڶ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ (التوبہ ۹:۱۲۹)

اے نبی ﷺ ان سے کہہ دو کہ میرے لیے بس اللہ کافی ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہ، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔

توکل ایمان کا ایک حصہ ہے۔ وکیل کے معنی ہیں بھروسے کے قابل۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک نام ''الوکیل'' بھی ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر تم صاحبِ ایمان ہو، صحیح طریقے سے کام کر رہے ہو، اصولِ انقلاب کی پابندی کر کے جہاد کے مختلف مراحل میں

درست سمت میں کام کر رہے ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو کہ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا اور اپنے دین کو غلبہ عنایت فرمائے گا۔ جہاد میں دل جمعی اور شہادت پر فرحت توکل علی اللہ ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کے اس وعدے پر اعتماد، یقین، بھروسہ ساری جدوجہد کی جان ہے۔ اللہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو مایوس نہیں کرتا۔ ہر مشکل گھڑی میں ان کی مدد ضرور کرتا ہے۔ بعض اوقات انسان غلطی کر جاتا ہے اور اپنے پاس موجود مالی و جانی وسائل پر بھروسہ اور وسائل کی برتری پر بے پناہ اعتماد کر لیتا ہے۔ اگر اللہ کا ساتھ میسر ہو تو یہ تمام حاضر وسائل خوب کام آتے ہیں اور کامیابی نصیب ہوتی جاتی ہے لیکن جب اللہ کی مشیّت اور توفیق انسان کو وسائل کے سپرد کر کے الگ ہو جائے تو یہ اعلیٰ درجے کی مشینری خود انسان کے اپنے ہی خلاف استعمال ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

شکر

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۝

اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔ (ابراہیم ۱۴:۷)

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لیے پسند کرتا ہے، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ آخر کار تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو، وہ تو دلوں کا حال تک جانتا ہے۔ (الزمر ۳۹:۷)

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝

اے نبی ﷺ تم بس اللہ کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔ (الزمر ۳۹:۶۶)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫ (لقمان ۳۱:۱۲)

ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ اللہ کا شکر گزار ہو جو کوئی شکر کرے اس کا شکر اس کے اپنے لیے ہی مفید ہے اور جو کفر کرے تو حقیقت میں اللہ بے نیاز اور آپ سے آپ محمود ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑬ (آل عمران ۳:۱۲۳)

آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

لغوی اعتبار سے شکر کفر کی ضد ہے شکر گزاری بندہ مومن کی صفت اولین ہے ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ قرآن کا پہلا فقرہ ہے ۔شکر گزاری زبان اور عمل دونوں سے ہوتی ہے ۔ اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو پسند کرتا ہے، ان کے ساتھ ہے، ان کی مدد کرتا ہے، ان کی رہنمائی کرتا ہے اور نازک مراحل سے ان کو نکالتا ہے۔ ادھر بندۂ مومن ہر حال میں شکر ادا کرتا ہے۔ خوشحالی، غربت، صحت، بیماری، فتح و کامرانی اور شکست و ریخت پر شکر گزار ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نقصان انسان کی اپنی غلط کاریوں سے ہوتا ہے۔ نقصان پر شکر اس طرح ہے کہ اگر سب کچھ ہمارے اعمال پر ہی منحصر ہوتا تو نقصان زیادہ ہوتا۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ نقصان کم ہوا۔ نقصان کو آزمائش کا روپ دے دیا گیا۔ نقصان کو صبر کا ذریعہ بنا دیا۔ اس طرح نقصان کئی نیکیوں کا ذریعہ بن گیا۔ یہ سب محاسن ہیں اور ان محاسن کی وجہ سے نقصان پر بھی رب کا شکریہ۔ اگر انسان شکر گزاری جاری رکھے تو مستقبل میں بھی نقصان کم ہوتا ہے۔ سچا مسلمان ہر حال میں اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے۔ بِيَدِهِ الْخَيْرُ یعنی اللہ کے ہر کام میں بھلائی ہے۔ خوشی و غم، فتح و شکست سب اللہ کے اذن سے نافذ ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے مخلص مومن ہر حال میں شکر گزار ہوتا ہے۔

استجاب (پکار پر لبیک کہنا)

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰیؔ ۚ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ (الرعد۱۳:۱۸)

جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کرلی ان کے لیے بھلائی ہے اور جنہوں نے اسے قبول نہ کیا، اگر وہ ساری زمین کی دولت کے بھی مالک ہوں اور اتنی ہی اور فراہم کرلیں تو وہ اللہ کی پکڑ سے بچنے کے لیے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالنے پر تیار ہو جائیں گے، یہ وہ لوگ ہیں جن سے بری طرح حساب لیا جائے گا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾ (آل عمران۳:۱۷۲)

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہا ان میں سے جو اشخاص نیکوکار اور پرہیزگار ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ (الانفال۸:۲۴)

اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول ﷺ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔ اور اس کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے۔

دعوت کے معنی ہیں پکارنا۔ اللہ کا رسول ﷺ مسلمانوں کو اللہ کی طرف، جنت کی طرف، اللہ کے راستے کی طرف پکار رہا ہے۔ استجاب کے لغوی معنی ہیں پکار کا جواب مثبت انداز میں دینا۔ دروازے پر کھڑا ایک شخص گھر والے کو بلا رہا ہے۔ اگر گھر والا فوراً دروازے کی دستک کا جواب دیتا ہے اور باہر کھڑے شخص کی بات فوراً سنتا ہے تو اس نے پکارنے والے کو مثبت اور صحیح جواب دیا۔ اس مثال سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت اور اس کے ردِعمل کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت قرآن، حدیث، تاریخ اور سلف صالحین کے ذریعے ہم تک پہنچ چکی ہے۔ جو لوگ اس پکار کے جواب میں تمام تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے لبیک کہتے ہیں اور جان و مال سے راہِ حق میں جہاد، قتال اور شہادت کے لیے حاضر ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی مدد کرنا اللہ کی ذمہ داری ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہتے ہیں، ان لوگوں کی مدد کی جاتی ہے۔

ہم جو اس زمانے کے لوگ ہیں تو کیا ہمیں بھی کوئی اللہ کی طرف پکار رہا ہے؟ ہاں! آج بھی اللہ کی آواز گونج رہی ہے۔ پکارنے والے اہلِ ایمان کو جھنجھوڑ رہے ہیں کہ اٹھو، مسلمانو! خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنے ساتھ ہونے والے مظالم کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاؤ۔ دور کی بات نہیں، حسن البناؒ نے مصر میں پکارا، اقبالؒ اور مودودیؒ نے پاک و ہند میں اللہ کی طرف دعوت دی۔ آج بھی کشمیر کی طرف سے آواز آ رہی ہے۔ زوالِ امت کے اس دور میں جو لوگ اخلاص سے پکار کا جواب دے رہے ہیں، ان کی مدد اللہ کے ذمے ہے۔ آج بھی اللہ اپنی آواز پر لبیک کہنے والوں کی مدد کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ کاش کہ لبیک کہنے والوں کی پاکستان میں اکثریت ہوتی اور اقامتِ دین کے سلسلے میں بہت سا کام ہو چکا ہوتا۔ ہم صرف باتیں کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے دعوت کا جواب دے دیا حالانکہ جواب عمل سے دیا جاتا ہے۔

مدد کا وقت

مدد کا وقت مقرر ہے اور وقت بھی کسی ضابطے کا پابند ہے۔ انسان تھوڑی سی جدوجہد کرتا ہے اور جلد ہی تھک کر واویلا کرتا ہے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرہ۲:۲۱۴)

پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول علیہ السلام اور اس کے اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں سر کے نیچے کملی رکھے لیٹے تھے ہم نے شکایت کی کہ مشرکین کی طرف سے سخت اذیت پہنچتی ہے۔ آپ اللہ سے بددعا کریں۔ یہ سن کر آپ اُٹھ بیٹھے اور آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ جن کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا تھا، پھر اس گڑھے میں آدمی کو کھڑا کیا جاتا تھا۔ پھر آرا لاکر سر پر رکھا جاتا تھا اور آرے سے اس کے دوٹکڑے کردیے جاتے تھے لیکن یہ عذاب ان کو اپنے دین سے منحرف نہ ہونے دیتا تھا اور وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہتے تھے۔ اور لوگوں کے جسم پر لوہے کی تیز کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے ان کا گوشت اور ہڈی تک کٹ جاتی تھی اور وہ اپنے دین سے نہ ہٹتے تھے:

وَاللّٰهِ لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الْاَمْرُ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ اَوِ الذِّئْبَ

قسم ہے اللہ کی یہ کام (یعنی غلبۂ اسلام) مکمل ہوگا اور اس درجہ ترقی کرے گا کہ ایک تنہا سوار صنعا (یمن) سے حضرموت تک اکیلا ہی سفر کرے گا اور اللہ کے سوا

عَلٰی غَنَمِهٖ وَ لٰکِنَّکُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ . کسی سے نہیں ڈرے گا اور بکریوں والا سوائے بھیڑیے کے اپنی بکریوں کے متعلق کسی سے خوفزدہ نہ ہوگا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔ (مشکوٰۃ حدیث: ۵۶۰۷)

اس لمبی حدیث کا یہاں ذکر کرنے سے یہ ثابت کرنا مطلوب ہے کہ اللہ کی مدد تو ضرور آتی ہے لیکن وہ اپنے طے شدہ وقت پر آتی ہے۔ اللہ کے علم، اللہ کی حکمت اور اصولِ انقلاب کی پاسداری سے آتی ہے۔ جب لوگ مکے میں پیٹے جا رہے تھے تو بظاہر کامیابی دور دور تک نظر نہیں آتی تھی لیکن چند ہی سالوں میں عرب کی سرزمین کا نقشہ ہی بدل گیا۔ حدیث کے یہ الفاظ "وَلٰکِنَّکُمْ تَسْتَعْجِلُوْن " انسانی نفسیات کی غمازی کرتے ہیں۔ انسان دوراندیش واقع نہیں ہوا، جلد باز واقع ہوا ہے۔ اپنی کوششوں کا جلد پھل حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حقائق کی دنیا میں گندم چھ ماہ بعد پھل دیتی ہے، کماد ایک سال بعد، شیشم بیس سال بعد کارآمد لکڑی بنتی ہے اور دیودار سو سال بعد اچھی لکڑی دیتا ہے تو کیا اللہ کا دین ایک نماز پڑھنے سے ہی غالب آ جائے گا اور قربانیاں دیے بغیر اللہ کی مدد آپ کے پیچھے پیچھے بھاگتی آئے گی؟ قرآن پر غور کریں قرآن کیا رہنمائی دیتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ (الاحقاف ۴۶: ۳۵)

پس اے نبی ﷺ صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے اور ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔ جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں خوف دلایا جا رہا ہے تو انہیں یوں معلوم ہوگا جیسے دنیا میں دن کی ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں رہے تھے۔ بات پہنچا دی گئی اب کیا نافرمان لوگوں کے سوا اور کوئی ہلاک ہوگا؟

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ (الانبیاء ۲۱: ۳۷)

انسان جلد باز مخلوق ہے، ابھی میں تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتا ہوں جلدی نہ مچاؤ!

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر ۳۹:۵۳) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اسلام غالب آ جائے لیکن مطالبہ تمنا ہی ہے۔ اللہ کا اصول نہیں کہ وہ صرف ہماری تمناؤں کو پورا کرے۔ اقامتِ دین کے لیے ایک تدریجی نظام چلتا ہے۔ حق کی عمارت کی تعمیر میں کچھ شہیدوں کے سر بنیاد کا کام دیتے ہیں، کچھ شہیدوں کے سر درو دیوار کا کام دیتے ہیں۔ آخر میں جب عمارت مکمل ہوتی ہے تو پھر دنیا میں غلبۂ اسلام ہوتا ہے۔ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ:

☆ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ابتدائی مکی دور میں شہید ہوئیں۔

☆ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دورِ جہاد کے ابتدائی مرحلہ جنگِ احد میں شہید ہوئے۔

☆ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ درمیانی دور میں شہید ہوئے۔

☆ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مکمل فتح اور غالب دین دیکھنا نصیب ہوا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہر معرکہ میں اللہ کی مدد آئی جنگ بدر سے لے کر جنگ حنین تک اللہ کے فرشتے شریک جنگ ہوتے رہے لیکن ایک بڑی کامیابی صلح حدیبیہ میں حاصل ہوئی۔ آخری فتح حنین کی جنگ تھی اور غلبہ و تکمیل دین دس ہجری کے آخری حج میں ہوئی۔ اس ترتیب کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مدد کا وقت بھی کسی اصول وضابطے کا پابند ہے اور آخری دنیاوی فتح کا وقت بھی مقرر ہے۔ اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے، اس کامیابی کا وعدہ بھی سچا ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ جو کوئی دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا پس وہی کامیاب ہوگیا۔ (آل عمران ۳:۱۸۵)

اس دنیا کی کامیابی کا سچا وعدہ بھی موجود ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کے دور کے مجاہد ایک طے شدہ اصولِ انقلاب کے مطابق جدوجہد جاری رکھیں۔ جب مدد کی شرائط پوری ہو جائیں گی تو فتح بھی آ جائے گی اور جب غلبۂ دین کی شرائط پوری ہو جائیں گی تو اقامت دین کی گھڑی بھی مل جائے گی۔

یادرہے کہ جہاد کے معنی میں کشمکش بھی شامل ہے۔کشمکش کا ایک لمبا عرصہ مسلمانوں کو شک میں ڈال دیتا ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا نہیں ہے، حالانکہ کشمکش کے عرصے کی لمبائی اس لیے ہے کہ ہم معیاری لوگ نہیں۔ ہمارے اعمال صالح نہیں۔ ہم حزب اللہ نہیں بن پارہے۔ ہماری جہالت اورکوتاہی کی وجہ سے کشمکش کا عرصہ لمبا ہورہا ہے۔ہم انقلاب کے طے شدہ اصولوں کی پاسداری نہیں کرتے بلکہ ہم تو اتنے جاہل ہیں کہ ہمیں ان اصولوں سے واقفیت ہی نہیں۔ہم مدد کی شرائط سے بھی ناواقف ہیں۔جب ہمارا علم ناقص ہے، ہماری منصوبہ بندی ناقص ہے، ہمارا صبر وتقویٰ غیر معیاری ہے تو ہم اللہ کے ہاں اپنا استحقاق کیسے ثابت کریں گے؟

یہ بات حق ہے کہ خود نبی ﷺ کی کامیابیوں کا وقت بھی مقرر تھا اور آپ ﷺ کو اس بات کا پورا شعور تھا۔مکی دور میں جب آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے ''یہ کلمہ قبول کرلو تو عرب پر تمہاری حکومت ہوگی اور عجم تمہیں خراج ادا کریں گے۔'' تو لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ جب یہ دور آیا تو لوگ حیران رہ گئے کہ یہ کیسے ہوگیا؟ جس طرح عرب وعجم کے متعلق آپ کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی، اس طرح آپ کی یہ پیشین گوئی بھی سچی ہے کہ آخری زمانے میں اسلام دوبارہ غالب آئے گا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ قَالَ فَیَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فَیَقُوْلُ اَمِیْرُهُمْ تَعَالٰی صَلِّ لَنَا فَیَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ اُمَرَآءُ تُکْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ . (مشکوٰۃ حدیث:۵۴۷۱)	میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق کے واسطے جنگ کرتی رہے گی اور قیامت کے قریب دشمنوں پر غلبہ حاصل کرلے گی پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا کہ آگے بڑھیے اور ہمیں نماز پڑھائیں۔عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے میں امامت نہیں کرتا اس لیے کہ تم ہی میں سے بعض لوگ بعض پر امام ہیں۔(ایک دوسرے کے امام ہو) یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بزرگ و برتر بنایا ہے۔

فتنۂ دجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام اور ظہورِ مہدی پر کئی حدیثیں موجود ہیں جن میں قیامت کے قریب اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی نوید سنائی گئی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں اس وقت جو ماحول بن رہا ہے وہ مسلمانوں کو پیہم جہاد کے لیے پکار رہا ہے۔ عین ممکن ہے آئندہ ہونے والی عالمی جنگ امام مہدی اور دجال کی جنگ ہی بن جائے اور یہ اہم پیشین گوئی عنقریب سچ ثابت ہو جائے۔ اس بڑی کامیابی سے پہلے چھوٹی چھوٹی کامیابیوں کی نوید بھی سنائی گئی ہے۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ کس سال پاکستان میں اسلام غالب آئے گا؟ البتہ یہ یقین ہے کہ اگر ہم جہاد اور حزب اللہ کی شرائط پوری کریں تو ہمیں نصرتِ الٰہی اور فتحِ مبین دونوں حاصل ہوسکتی ہیں۔ ہمارا کام تو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے جدو جہد کو آگے بڑھانا ہے۔ ہماری کوششوں میں برکت ڈالنا اللہ کا کام ہے۔ یہ دین اللہ کا ہے وہ جب چاہے گا، اسے غالب کرنے والی حزب اللہ وجود میں آجائے گی۔ آج کی دنیا میں ہمیں بس اپنے حصے کا فرض ادا کرنا ہے اور معیار مطلوب کے مطابق ادا کرنا ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱

اللہ کی راہ میں نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ کام تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں حق کا صحیح علم ہو جائے۔ (التوبہ ۹:۴۱)

اصول انقلاب کے تحت اللہ کی طرف سے مدد اس وقت آتی ہے جب مجاہد فی سبیل اللہ اپنی بساط کے مطابق قوانین فطرت وشریعت کی پابندی کرتے ہوئے اپنا تمام زور صحیح نہج میں لگا دے اور مال اور جان کی قربانی کی جو آخری حد ہے اس پر پہنچ جائے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ مومنوں کی مدد کیلیے بیتاب ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر میں نبی ﷺ نے ۱۵ سالہ محنت کا تمام پھل ۳۱۳ صحابہ رضی اللہ عنہم کی صورت میں لا جمع کیا اور پھر دعا کی:

اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ قُرَيْشٌ قَدْ اَتَتْ اے اللہ یہ ہیں قریش اپنے سامانِ غرور کے ساتھ آئے **بِخُيَلَآئِهَا تُحَاوِلُ اَنْ تُكَذِّبَ** ہیں تا کہ تیرے رسول ﷺ کو جھوٹا ثابت کریں۔

رَسُوْلَکَ، اَللّٰھُمَّ فَنَصْرُکَ الَّذِیْ وَ عَدْتَّنِیْ ، اَللّٰھُمَّ اَنْ تُھْلِکَ ھٰذِہِ الْعَصَابَۃَ الْیَوْمَ لاَ تَعْبُد

اللہ! بس اب آ جائے تیری وہ مدد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، اے اللہ! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔

(تفہیم القرآن دوم صفحہ:۱۲۶)

جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کافروں کے مقابلے میں کم تھی۔ مہاجرت اور اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے مدینہ کی اکثر آبادی غریب تھی، ہتھیار بھی نہ خرید سکتے تھے، تھوڑے دن ہی گزرے تھے کہ مدینہ میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی اس لیے مادی وسائل کی سخت کمی تھی۔ یہ دعا فوراً قبول ہوگئی کیونکہ اصولِ انقلاب کے مطابق انسانی ذرائع سے جو کچھ میدانِ جنگ میں مہیا کیا جاسکتا تھا، وہ حاضر کردیا گیا تھا۔ ۱۵ سال کی تربیت کردہ قوت اور وسائل لا حاضر کیے، مدد کی شرائط پوری کردیں اور اللہ کی مدد آ گئی۔

غارِ ثور میں انسانی احتیاط، تدبیر، سعی و مشقت کی انتہا کردی گئی تو اللہ کی مدد آئی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس اللہ نے غار میں مقیم بندوں کو کافروں کی نگاہوں سے اوجھل کردیا، کیا وہ اللہ مکہ والے گھر میں ایسا نہیں کرسکتا تھا؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ انسان اپنی بساط کے مطابق جب آخری کوشش کرلیتا ہے تو پھر اللہ کی مدد آتی ہے۔ گھر میں مقیم رہنے سے اصولِ انقلاب کا اطلاق پورا نہیں ہوتا۔ غار میں تمام تقاضے پورے ہوگئے تو اللہ کی فوج نے کبوتر اور مکڑی کا روپ دھار لیا اور چند منٹوں میں مدد کے ذرائع مہیا کردیے گئے:

حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَھُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾

(یوسف ۱۲:۱۱۰)

(پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ مدتوں نصیحت کرتے رہے اور لوگوں نے سن کر نہ دیا) یہاں تک کہ جب پیغمبر علیہ السلام لوگوں سے مایوس ہوگئے اور لوگوں نے بھی گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا تو، یکا یک ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی، پھر جب ایسا موقع آجاتا ہے تو ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جسے ہم چاہتے

ہیں بچا لیتے ہیں اور مجرموں پر سے تو ہمارا عذاب ٹالا
نہیں جا سکتا۔

بقول اقبالؒ

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

مدد کے لیے وقت کا تعین کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے البتہ وہ مسلمانوں کی کوششوں کو دیکھ اور پرکھ کر یہ وقت مقرر کرتا ہے۔ جو کوششیں معیارِ مطلوب کے مطابق ہوتی ہیں ان کو جلد نتائج مل جاتے ہیں۔ دوسروں کو اچھے وقت کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات اللہ کے علم میں ہے کہ کب، کہاں اور کیسے مدد آئے گی؟ ہمیں بھی اللہ کی رحمت کی امید پر اپنی کوششیں صحیح سمت میں جاری رکھنی چاہئیں۔

اللہ کے وعدے

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے بہت وعدے کیے ہیں۔ یہاں ہم صرف وہ وعدے بیان کرتے ہیں جن کا تعلق نفس مضمون سے ہے۔ان وعدوں کی فہرست کچھ اس طرح سے ہے۔

☆ امداد کا وعدہ ☆ فتح کا وعدہ ☆ مالِ غنیمت کا وعدہ ☆ غلبۂ دین کا وعدہ

مدد کا وعدہ

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (المومن ۴۰:۵۱) اور ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی اس دنیا کی زندگی میں اور آخرت کے دن جب گواہیاں قائم ہوں گی یقیناً مدد کریں گے۔

وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا (الفتح ۴۸:۳) اور اللہ تم کو زبردست نصرت بخشے گا۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا

وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ (التوبہ۹:۱۴)

اور ذلیل وخوار کرے گا اور ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا اور بہت سے مومنوں کے دل ٹھنڈے کر دے گا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ (التوبہ۹:۲۵،۲۶)

اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے ابھی غزوہ حنین کے روز (اس کی دست گیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت نازل کی اپنے رسول ﷺ پر اور مومنوں پر اور ایسے لشکروں سے مدد کی جو تم کو نظر نہیں آتے، اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ (الحج ۲۲:۶۰)

یہ تو ہے ان کا حال اور جو کوئی بدلہ لے ویسا ہی جیسا اس کے ساتھ کیا گیا پھر اس پر زیادتی بھی کی گئی ہو تو اللہ اس کی مدد ضرور کرے گا۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا ہے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ (الروم ۳۰:۵،۶)

اللہ نصرت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے، اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اور اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فتح کا وعدہ

فتح کے معنی ہیں کھولنا، فیصلہ کرنا۔ جنگ میں کامیابی کو بھی فتح کہتے ہیں۔ دشمن کے دروازے فاتح کے لیے کھل جاتے ہیں۔ فتح کے کئی مدارج ہیں۔ کہیں جنگ برابر رہ جاتی ہے، کہیں چھوٹی کامیابی حاصل ہوتی ہے اور کہیں بڑی۔ عسکری ترقی میں تدریج کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ چھوٹی چھوٹی کامیابیاں بڑی فتح پر منتج ہوتی ہیں حتیٰ کہ ایک بڑی کامیابی ایسی حاصل ہوتی ہے کہ باطل قوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی فتح کو فتحِ مبین کہتے ہیں۔ فتح کے باب میں اللہ کے وعدے صاف ہیں:

وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ (الصّف ۶۱:۱۳)

اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا۔ اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح، اے نبی ا اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔

لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۱۸﴾ (الفتح ۴۸:۱۸)

اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا پس اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿۱﴾ (الفتح ۴۸:۱)

اے نبی ﷺ ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی۔

لَّقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۲۷﴾ (الفتح ۴۸:۲۷)

فی الواقع اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک حق کے مطابق تھا، انشاء اللہ تم ضرور مسجدِ حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ وہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے اس لیے وہ

خواب پورا ہونے سے پہلے اس نے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرمادی۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر ۵۴:۴۵) عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔

مال غنیمت کا وعدہ

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ (الفتح ۴۸:۲۰،۲۱) اللہ تم سے بکثرت مال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے۔ فوری طور پر تو یہ فتح اس نے تمہیں عطا کردی اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اٹھنے سے روک دیے، تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے۔ اور اللہ سیدھے راستے کی طرف تمہیں ہدایت بخشے۔ اس کے علاوہ دوسری اور غنیمتوں کا بھی وہ تم سے وعدہ کرتا ہے جن پر ابھی تک تم قادر نہیں ہوئے ہو اور اللہ نے ان کو گھیر رکھا ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ (النساء ۴:۹۴) اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو دوست دشمن میں تمیز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے تو اسے نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں۔ اگر تم دنیوی فائدہ چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت سے اموال غنیمت ہیں۔

غلبہ دین

فیصلہ کن فتح کے بعد مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ذاتی اقتدار کو نافذ نہ کریں بلکہ اللہ

کے دین کو نافذ وقائم کریں۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ کو جب مکمل فتح ہوئی تو آپ ﷺ نے قوت، حکومت، قانون اور عدالت یعنی ہر طریقے سے اللہ کے دین کو غالب اور قائم کر دیا۔ حضرت محمد ﷺ نے مکہ میں دعوت کے ابتدائی دنوں میں پیشین گوئی کر دی تھی کہ یہ کلمہ سربلند ہوکر رہے گا چنانچہ تئیس سالہ جدوجہد کے بعد یہ دین عملاً غالب ہوا۔ اس باب میں اللہ کے وعدے درج ذیل ہیں:

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر ۳۹:۱۰)

(اے نبی ﷺ) کہو کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، اپنے رب سے ڈرو۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا ہے، ان کے لیے بھلائی ہے۔ اور اللہ کی زمین وسیع ہے۔ صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝ (ص ۳۸:۱۱)

(مکے کے قریش کا جتھا) یہ تو جتھوں میں سے ایک چھوٹا سا جتھا ہے جو اسی جگہ شکست کھانے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ مَنْ حَاۗدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

یقیناً ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرتے ہیں، اللہ نے لکھ دیا کہ میں اور میرے رسول ﷺ غالب ہوکر رہیں گے۔ فی الواقع اللہ زبردست اور زورآور ہے۔ تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں، وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر

حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٢٢﴾ (المجادلہ۵۸:۲۰-۲۲)

دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٦﴾ (الصافات ۳۷:۱۱۶)

ہم نے (بنی اسرائیل) کی مدد کی پس وہ غالب آ گئے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ (ال عمران۳-۱۳۹)

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾ (الانبیاء۲۱-۱۰۵)

اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْــــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٥٥﴾ (النور۲۴-۵۵)

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے ان کے لیے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔ اور ان کی موجودہ حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدہ ۵:۵۶)	اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے، اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصفت ۳۷:۱۷۳)	اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ (الشوریٰ ۴۲:۲۴)	کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر جھوٹ بہتان گھڑ لیا اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مہر کر دے۔ وہ باطل کو مٹا دیتا ہے۔ اور حق کو اپنے فرمانوں سے حق کر دکھاتا ہے۔
يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب ۳۳:۷۱)	اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

ان سب آیات کو ملا کر پڑھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دین کے سیاسی، اقتصادی اور مالی غلبے کا وعدہ کیا تھا اور وہ عملاً پورا ہو گیا۔ مدینے میں اللہ کے حکم سے اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ زمین عدل سے بھر گئی، کفر، شرک، ظلم وستم ختم ہو گئے۔ اسلام اپنی پوری اور اصل شکل پہ عملاً زمین پر قائم ہو گیا اور انسان نے خلافتِ راشدہ کی شکل میں اللہ کی خلافتِ ارضی کا حق ادا کر دیا۔ بعد میں ناخلف پیدا ہو گئے اور ایک ایک کر کے خدا کی حدیں توڑتے گئے، خلافتِ راشدہ ختم ہو گئی اور آج تک پھر دوبارہ دینِ حق اپنی اصلی شکل میں نافذ نہ ہو سکا اگرچہ اہل حق صدیوں سے اس کے لیے کوشاں ہیں۔

ہمارے ساتھ مدد کا وعدہ

اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ میں تجھے انسانوں کا امام بناتا ہوں:

قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ تو اس نے کہا: ''میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں''۔ (البقرہ۲:۱۲۴)

ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا کہ میری اولاد کو یہ شرف حاصل ہوگا؟ اللہ نے جواب دیا کہ ظالموں کے ساتھ میرا کوئی وعدہ نہیں:

قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: ''اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟''۔ اس نے جواب دیا: ''میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے''۔ (البقرہ۲:۱۲۴)

یعنی یہ وعدہ ابراہیم علیہ السلام کی نیک اولاد کے ساتھ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منجھلے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی اسرائیل اس وعدے کے مصداق ۴ مرتبہ خلافت ارضی پر متمکن کیے گئے، یوسف علیہ السلام کے زمانے میں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں، داؤد علیہ السلام کے زمانے میں اور عزیر علیہ السلام کی مکابی تحریک کے زمانے میں۔ جب بنی اسرائیل نے اللہ کی حدوں کو توڑا تو اللہ نے اپنا وعدہ واپس لے لیا اور انہیں ذلیل وخوار کر دیا:

کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ وَلَا تَطۡغَوۡا فِیۡہِ فَیَحِلَّ عَلَیۡکُمۡ غَضَبِیۡ ۚ وَمَنۡ یَّحۡلِلۡ عَلَیۡہِ غَضَبِیۡ فَقَدۡ ہَوٰی ﴿۸۱﴾ کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاک رزق اور اسے کھا کر سرکشی نہ کرو، ورنہ تم پر میرا غضب ٹوٹ پڑے گا۔ اور جس پر میرا غضب ٹوٹا وہ پھر گر کر ہی رہا۔ (طٰہٰ۲۰:۸۱)

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِہَا وَقِثَّآئِہَا وَفُوۡمِہَا وَعَدَسِہَا وَبَصَلِہَا ؕ قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِیۡ ہُوَ یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ ''اے موسیٰ علیہ السلام ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار ساگ ترکاری، کھیرا، ککڑی، گیہوں، لہسن، پیاز، دال پیدا کرے'' تو

اَدۡنٰی بِالَّذِیۡ ہُوَ خَیۡرٌ ؕ اِہۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَکُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ ؕ وَ ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ وَ الۡمَسۡکَنَۃُ ٭ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۶۱﴾ (البقرہ۲:۶۱)

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”کیا ایک بہتر چیز کے بجائے تم ادنیٰ درجے کی چیزیں لینا چاہتے ہو؟ اچھا کسی شہری آبادی میں جا رہو، جو کچھ تم مانگتے ہو، وہاں مل جائے گا“ ۔آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ذلت وخواری اور پستی وبدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ نتیجہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدودِ شرع سے نکل نکل جاتے تھے۔

ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الۡمَسۡکَنَۃُ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ (آل عمران۳:۱۱۲)

یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور ہی بات ہے۔ یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں، ان پر محتاجی ومغلوبی مسلط کر دی گئی ہے، اور یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔

وَ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ لَتُفۡسِدُنَّ فِی الۡاَرۡضِ مَرَّتَیۡنِ وَ لَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۴﴾ (بنی اسرائیل۱۷:۴)

پھر ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس پر بھی متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فسادِ عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔

ثُمَّ اَنۡتُمۡ ہٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَ تُخۡرِجُوۡنَ فَرِیۡقًا مِّنۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِہِمۡ ۫ تَظٰہَرُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ

مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو، اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو،

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

(البقرہ۲:۸۵)

ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندیاں کرتے ہو اور جب وہ لڑائی میں پکڑے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کی رہائی کے لیے فدیہ کا لین دین کرتے ہو، حالانکہ انہیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں گے اور آخرت میں شدید عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

(البقرہ۲:۹۰)

کیسا برا ذریعہ ہے جس سے یہ اپنے نفس کی تسلی کرتے ہیں کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل (وحی ورسالت) سے اپنے جس بندے کو خود چاہا نواز دیا۔ لہٰذا اب یہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور ایسے کافروں کے لیے سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو اسماعیلی شاخ کے گل سرسبد تھے۔ ان کے ساتھ بھی اللہ نے وہی وعدہ کیا جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، چنانچہ قرآن اور تاریخ کی گواہی ثابت کرتی ہے کہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اسلام کو مکمل اور صحیح شکل میں نافذ کر کے انسانوں کی امامت کا فریضہ

ادا کر دیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے ساتھ بھی اللہ کا کوئی وعدہ ہے؟ اس کا جواب ہے ''ہاں'':

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔ (محمد ۴۷:۷)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے ، پھر جنہوں نے جرم کیا ان سے ہم نے انتقام لیا اور ہم پر یہ حق تھا کہ مومنوں کی مدد کریں۔ (الروم ۳۰:۴۷)

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۲۴ میں یہ الفاظ ''**لا ينال عهدى الظلمين**'' کہ ظالموں سے کوئی وعدہ نہیں ۔ اپنی حالت یہ کہ ہم دین ابراہیمی کے پیروکار ہونے کے باوجود ظالموں کی فہرست میں شامل ہیں ۔ اس لیے ہم پر ذلت وخواری کے فطری قوانین اسی طرح لاگو ہوتے ہیں جس طرح بنی اسرائیل پر لاگو ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل کی کہانی اللہ نے بار بار ہماری ہدایت کے لیے ہی بیان کی ہے۔ ان کی کہانی سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انہوں نے حدود اللہ کو پامال کرنا شروع کیا تو اللہ نے انہیں ذلیل وخوار کر دیا۔ جب ہم بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بھی وہی کچھ کرے گا، جس طرح وہ ماضی میں بنی اسرائیل کے ساتھ کر چکا ہے:

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ اور ان منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے متعلق برے گمان رکھتے ہیں ۔ برائی کے پھیر میں وہ خود ہی آ گئے ، اللہ کا غضب ان پر ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنم مہیا کر دی جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ (الفتح ۴۸:۶)

ہمیں جان لینا چاہیے کہ جس طرح قرآن نے غلبۂ اسلام کے قوانین بیان کیے ہیں، اسی طرح زوال امت کے قوانین بھی واضح طور پر بیان کر دیے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دوٹوک انداز میں روکا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ بنی اسرائیل کے طریقے نہ اپنائیں، پھر واضح کر دیا کہ روکنے کے باوجود تم ایسا ہی کرو گے جس طرح بنی اسرائیل نے کیا۔ حضرت ابی واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (مشکوٰۃ حدیث: ۵۱۷۳) اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے البتہ تم ضرور پہلے لوگوں کی راہ پر چلو گے۔

آپ نے فرمایا ''تم بھی آخر کار پچھلی امتوں ہی کی روش پر چل کر رہو گے حتیٰ کہ وہ اگر کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں، تو تم بھی ایسے ہی گھسو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور کون؟'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ: ۱۷)

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ (آل عمران ۳: ۱۰۰) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم نے ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (آل عمران ۳: ۱۰۵) کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے۔

آج کے مسلمان کی بنی اسرائیل سے مماثلت کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت اس وقت مغربی، یورپی تہذیب کی پیروکار ہے۔ ان کا سیاسی، تعلیمی، معاشی اور معاشرتی نظام مغربی تہذیب سے متاثر ہے۔ نوجوان نسل تقریباً وہ ساری حرکات کرتی ہے جو یہودی اور عیسائی کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل نے انبیاء علیہ السلام کو قتل کیا، ہم نے بھی انبیا علیہ السلام کے وارث علماء، محدثین اور اہل اللہ کو قتل کیا۔ بنی اسرائیل نے بادشاہوں کی اطاعت کی، ہماری ۱۴۰۰ سالہ تاریخ ہی بادشاہوں اور آمروں کی تاریخ ہے۔ بنی اسرائیل نے اللہ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرلیا، ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے تفرقہ کیا، ہم بھی گروہوں، فرقوں اور طوائف الملو کی میں بٹ گئے۔ یہودی نے یہودی کو قتل کیا، ہم نے بھی خانہ جنگی کی اور آج بھی مسلمان، مسلمان کو قتل کر رہا ہے۔ بنی اسرائیل بھی کافروں کے غلام رہے، ہم نے بھی برطانیہ اور امریکہ کی غلامی قبول کر لی ہے۔ یہودیوں نے تورات کو بدل ڈالا، ہم نے بھی قرآن کے الفاظ کے غلط معانی کیے اور وضعی حدیثیں بنائیں، تسلیم شدہ تاریخی حقائق کو ہی مسخ کر دیا۔

پاکستان کی تاریخ ہماری آنکھوں کے سامنے بنی لیکن بچوں کے کورس کی کتابوں میں حقائق کے خلاف تاریخ پڑھائی جا رہی ہے۔ جو ظالم تھے وہ شہید کہلائے اور جو ملک توڑنے والے تھے وہ ہیرو بن گئے۔ جو منافق تھے وہ اسلام کے لیڈر سمجھے جاتے ہیں۔ اگر ہماری آنکھوں کے سامنے بننے والی تاریخ، ہمارے ہی زمانے میں بدلی جا سکتی ہے تو ماضی کے حقائق کو بدلنا تو اور بھی آسان ہے اور یہ آسان کام مسلمانوں نے کیا۔ جس طرح صحیح تورات کا ملنا مشکل ہے اسی طرح آج صحیح اسلام کو سمجھنا بھی مشکل ہے۔

یہودی سود خور ہیں، ہم بحیثیت امت سودی بینکاری کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ سارا پاکستان سودخوری میں جکڑا ہوا ہے۔ یہودی بڑے بڑے جادوگر تھے، مسلمان بھی بڑے کاریگر جادوگر ہیں۔ یہودی دنیاوی مال ومتاع کے حریص ہیں، مسلمان ان سے زیادہ خودغرض اور حریص ہیں۔ یہودی بے حیا ہیں، آج کے مسلمان مرد وزن یہودیوں سے بھی زیادہ بے حیا بن رہے ہیں۔ بے غیرتی یہودی کلچر ہے، آج کا مسلمان بھی بے غیرتی میں یہودی سے بازی لے گیا ہے۔

آخر وہ کون سی حرکت ہے جو یہودیوں نے کی اور ہم نہیں کر رہے؟ جن کرتوتوں کی وجہ

سے یہودی ذلیل ہوئے اگر وہی کرتوت ہم بحیثیت مسلمان کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی تو غیرت مند ہے، وہ مسلمانوں کو بھی ذلیل وخوار کرنے میں حق بجانب ہے۔ اگر ہم اللہ کے وعدوں کے مصداق بن کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ چاہتے ہیں تو پھر ہمیں لازماً فطرت کے ان قوانین کی پابندی کرنا پڑے گی جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔

یہی مضمون ہماری کتاب ''اصلاحی انقلاب اور اس کے اصول وطریق'' کا مرکزی موضوع ہے۔

انہی اصولوں میں سے آج ایک اصول پر بحث ہو رہی ہے۔ اگر ہم مخلص اور سچے ہیں تو ہمیں از سرِنو قرآن وحدیث، فقہ، سیرۃ اور تاریخ کا مطالعہ کر کے اپنی منزل کا صحیح رخ متعین کرنا پڑے گا۔ ہماری اصلاح کے لیے یہ آیت کافی ہے کہ کامیابی انہیں ملے گی جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے والے ہیں:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ۹:۱۰۰)

وہ مہاجر وانصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ

(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی امی ﷺ کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے، وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور

الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۠ (الاعراف ۷:۱۵۷)

ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی وہی فلاح پانے والے ہیں۔

مدد کے وعدے ہمارے ساتھ بھی اسی طرح ہیں جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ کسی اور کو ملامت کرنے کی بجائے ہمیں اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیے کہ ہم اپنے قول و فعل کے ذریعے اللہ کی مدد کے مستحق کیوں نہیں ٹھہرے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کوئی نیا فتنہ یا فرقہ نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی اس طرح پابندی کرنا ہے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے کی اور خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کی۔ اللہ کا وعدہ اس امت کے ساتھ ہے جو خلفائے راشدین کے طریقے پر ہے یا ہوگی۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَ اِنْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا فَاِنَّهٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرَی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وّکُلَّ

میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقویٰ کے ساتھ سننے اور بجا لانے کی اگرچہ ہو حبشی غلام، جو شخص زندہ رہا میرے بعد تم میں سے وہ بہت اختلافات دیکھے گا، لازم پکڑو میرے طریقے کو اور ہدایت کیے گئے خلفاء راشدین کے طریقے کو، اس کے ساتھ بھروسہ کرو اور دانتوں سے اسے مضبوط پکڑ لو، (دین میں) نئی نئی باتوں سے بچو، پس تحقیق نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مشکوٰۃ حدیث:۱۵۷)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّیْ لَا اَدْرِیْ مَا بَقَآئِیْ فِیْکُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ (مشکوٰۃ حدیث:۵۸۰۱)

میں نہیں جانتا کہ کب تک تمہارے درمیان رہوں پس میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرنا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اهْتَدَیْتُمْ (مشکوٰۃ حدیث:۵۷۶۲)

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے راہ پاؤ گے۔

عبداللہ بن ابی بھی بظاہر ایک صحابی ہی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا جنازہ پڑھنے سے ہی روک دیا۔ کردار اور عقیدے کے اعتبار سے عبداللہ بن ابی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنے کے باوجود صحابی نہیں گنا جاتا بلکہ منافق اور لعنتی سمجھا جاتا ہے۔

ہمارے حکمران جو نماز پڑھتے ہی نہیں اور منافقانہ سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں، وہ کس برتے پر اللہ کی مدد کی امید رکھتے ہیں؟ یہ لوگ تو پوری قوم پر عذاب کے ذمہ دار ہیں:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴿۱۶﴾ (بنی اسرائیل ۱۷:۱۶)

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اس بستی کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۸۵﴾ (آل عمران ۳:۸۵)

اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ شخص ناکام و نامراد رہے گا۔

سب سے پہلے ہمارے حکمران اصلاح کریں۔آئین اور قانون میں ایسی تبدیلیاں لائی جائیں کہ اقتدار صاحب فہم وفراست،اہل علم،متقی اور صالحین کے ہاتھ آئے۔

موجودہ حکمران طبقے سے کسی کارخیر کی توقع عبث ہے۔اگر ہم فتح ونصرت کی شرائط پوری کریں گے تو آج بھی اللہ کی مدد آسکتی ہے۔یہودیوں کی حرکتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور دجال کے لیے سٹیج تیار ہے۔دجال کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں نے منظّم ہونا ہے۔اگر ہم نشاۃ ثانیہ کے لیے کوشش کرنے والے بن جائیں تو امام مہدی کی آمد سے پہلے ایک مضبوط حزب اللہ بن سکتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ نبی ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق آخرزمانے میں اللہ کا کلمہ سربلند کرنے والوں میں ہم بھی شمار ہو جائیں۔اس طرح ہماری معافی کی گنجائش نکل سکتی ہے۔کاش ہم اللہ کا کلمہ سربلند کرنے کے لیے کچھ محنت اور کاوش کرسکیں۔

خلافت راشدہ کیوں واپس نہیں آئی

سوال پیدا ہوتا ہے کہ صدیوں کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نیک لوگ غلبۂ دین کے لیے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ان قربانیوں کے باوجود ابھی تک اسلام اپنی اصل شکل میں خلافت راشدہ کی طرز پر دنیا میں کہیں بھی غالب نہیں آسکا۔تو کیا ان سب شہدا کی قربانیاں رائیگاں گئیں؟ ابھی تک آنکھیں غلبۂ اسلام کو ترس رہی ہیں۔اگر کسی ملک میں شریعت کی کچھ حدیں قائم ہوئیں تو زیادہ دیر نہ چل سکیں۔

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ نازک ترین حالات میں بھی حق کو مکمل طور پر مٹانے میں باطل کامیاب نہیں ہوا۔روس نے پچاس سال تک اسلام کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی لیکن لوگوں کے دلوں سے ایمان نہ نکال سکا۔روس کے منتشر ہوتے ہی مسلمان ریاستیں وجود میں آگئیں۔تاریخ بتاتی ہے کہ حق اور باطل کی کشمکش میں مسلمانوں کی جمعیت کو اگر کسی محاذ پر شکست ہوئی تو کسی دوسرے محاذ پر سرگرم جہاد ہوگئی۔آج مسلمان گو صحابہ رضی اللہ عنہم کے صحیح جانشین نہیں لیکن اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے کوشاں ضرور ہیں۔حق یہ ہے کہ امت مسلمہ میں بھی بہت سی خرابیاں آگئی ہیں۔اس کے باوجود اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کی جدوجہد جاری ہے۔حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَاتَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ...	میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق کے واسطے جنگ کرتی رہے گی۔ (مشکوۃ حدیث:۵۲۷۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُّذْ بَعَثَنِیَ اللّٰهُ اِلٰی اِنْ یُّقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالُ لَایُبْطِلُهٗ جَوْرُ جَآئِرٍ وَّ لَا عَدْلُ عَادِلٍ ...	اور جہاد جاری رہنے والا ہے جب سے اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، یہاں تک کہ اس امت کا آخر دجال کو قتل کرے گا کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل اسے باطل نہیں کرے گا۔ (مشکوۃ حدیث:۵۲)

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ماضی میں برپا ہونے والی اقامت دین کی تحریکوں میں شروع شروع میں تو اسلام کے مکمل غلبے کا نظریہ ہی رہا لیکن امتداد زمانہ سے تکمیل دین کا نظریہ کمزور ہوتا چلا گیا اور چند حدوں کے قیام پر ہی قناعت کر لی گئی۔ اگر کسی شہر میں مجاہدین کو غلبہ حاصل ہوا تو اپنی کمزوریوں کی وجہ سے سارے کے سارے اسلام کو غالب نہ کر سکے۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی خرابی کی ایسی صورت رہ گئی جس نے چند سالوں کے بعد تحریک کی کامیابی کا نقشہ ہی الٹ دیا۔ سید احمد شہیدؒ، امام شاملؒ، مہدی سوڈانیؒ کا جہاد خالص اسلامی جہاد تھا لیکن وہ اپنے مقبوضات میں مکمل اسلام قائم نہ کر سکے۔ چنانچہ چند سالوں کے بعد باطل قوتوں نے منظّم ہو کر صالح انقلاب کو الٹ کے رکھ دیا تاہم مرکز پنجتار، کوہ قاف اور سوڈان میں ہونے والی ان جہادی کوششوں کے ثمرات آج تک نظر آ رہے ہیں۔ آج بھی ان علاقوں میں اسلامی نظام کے غلبے کی تڑپ موجود ہے۔

امتی خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، اسے وہ حجت حاصل نہیں ہوتی جو انبیاؑ کو حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے فیصلہ کن مرحلہ کبھی نہیں آیا کہ اسلام مکمل غالب ہو اور کفر مکمل طور پر مٹ جائے یا پھر آسمانی عذاب آ کر کافروں کو صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دے۔ یہاں تو کمزور ایمان کے مسلمانوں سے واسطہ ہے۔ حجت تو بڑی دور کی بات ہے، شہادت حق کا فریضہ بھی صحیح انداز میں ادا نہیں ہوتا۔

امتی کا ایمان اور عمل ناقص ہو چکا ہے، اس لیے نتائج بھی صحیح نہیں نکل رہے۔ صحابہؓ کا دور لوٹ کر آ سکتا ہے بشرطیکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے اہل ایمان وتقویٰ میسر آ جائیں۔ مسلمانوں میں بڑے بڑے نیک لوگ موجود ہیں لیکن کتنے ہیں جو حضرت ابو بکرؓ کے ایثار وخلوص کو پہنچ سکتے ہیں؟ کم از کم ۳۱۳ بدری صحابہؓ جیسا ایمان ہی ہو۔ ایسی صورت حال اپنے ہاں نہیں۔ اپنے ملک میں کئی مذہبی اور سیاسی جماعتیں ہیں۔ کیا ان پر حزب اللہ کا لیبل چسپاں ہوتا ہے؟ یہ ایمان وعمل کی کمزوری اسلام کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ ہم بظاہر بہت نیک لوگ ہیں لیکن نیکیوں کے ساتھ ساتھ ہم ایسی کوتاہیاں بھی کر جاتے ہیں کہ اپنی ساری کوششوں پر خود ہی

پانی پھیر دیتے ہیں۔

حق بتدریج ترقی کرتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اٹھارویں، انیسویں صدی عیسوی کے مقابلے میں بیسویں صدی میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی میں اصلاح اور بہتری ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے علم، اخلاق اور مالی و دنیاوی وسائل میں کافی اصلاح ہوئی ہے۔ مسلمان جہادی قوتیں بہتر انداز میں منظّم اور فعال ہوئی ہیں۔ علم وتحقیق نے ترقی کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جب فلسفہ اقامت دین پیش کیا تھا۔ اس دن کے مقابلے میں آج دنیا میں اسلامی فلسفہ اور اہل علم کی کارکردگی میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ مغل دور کی انحطاط پذیر حکومت چھن گئی۔ مسلمان غلام ہو گئے۔

پاکستان کے قیام سے خلافت علی منہاج النبوۃ کا راستہ کچھ صاف ہوا ہے اور پوری دنیا میں ۵۹ آزاد مسلمان ریاستیں قائم ہو چکی ہیں۔ گو ابھی منزل دور ہے لیکن راستہ بن رہا ہے۔ کفر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾

رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے تو انہیں ہم بندریج ایسے طریقے سے تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ (الاعراف ۷:۱۸۲)

وسائل جمع کر کے عسکری قوت بننا ایک بہت اہم مرحلہ ہے۔ کبھی وہ دور تھا کہ مسلمانوں کے پاس انگریزوں کے مقابلہ کے لیے تلواریں تھیں۔ آج الحمدللہ میزائلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے میزائل بن رہے ہیں اور ذرائع جہاد میں ترقی ہو رہی ہے۔ جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی (Aristocracy) کی جگہ آزادئ جمہور کو فروغ مل رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ اور تعلیم بڑی طاقتور قوتیں بن رہی ہیں۔ گو دشمنان اسلام غالب اور قوی ہیں اور مسلمانوں کے منافق حکمران بھی ان کے کاسہ لیس ہیں لیکن الحمدللہ اسلام کے نام لیوا بھی ترقی پذیر ہیں اور قول وفعل کے توازن والے نوجوان آگے بڑھ رہے ہیں۔ تدریجی ترقی کا عمل جاری ہے۔ ان مشکل حالات میں اگر

ایک نیک اور متقی شخص ایک فاسق قوم کے مقابلے میں شکست کھا جاتا ہے تو اس کا مطلب حق کی ناکامی نہیں۔ اللہ کا فتح ونصرت کا وعدہ جماعت کے ساتھ ہے اور ابھی تک ہم حزب اللہ بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اچھے لوگوں کی جماعتیں موجود ہیں لیکن وہ پوری طرح سے حزب اللہ نہیں بن سکیں۔ اللہ کا ایک اور دس کا وعدہ نگاہ میں رہے تو پھر اپنی حالت کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ابھی ہم کافر و فاسق قوتوں کے مقابلے میں اللہ کے وعدے کے مصداق نہیں بن پائے۔

اللہ کے وقت کے پیمانے ہم سے مختلف ہیں۔ اس کے ہاں تو ایک دن ہمارے ہزاروں سال سے بھی بڑا ہوتا ہے:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝

ملائکہ اور روح علیہ السلام اس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ (المعارج ۷۰:۴)

قوموں کی زندگی میں صدیاں جدوجہد میں گزر جاتی ہیں۔ اس لیے نشاۃ ثانیہ کی اس جدوجہد پر بھی کافی وقت صرف ہوگا۔ اچھی زمین میں اگر فصل کاشت نہ کی جائے تو بیلے اور جھاڑ جھنکار اگ آتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کے سپاہی اقامت دین کی جدہ جہد کے لیے موجود نہ ہوں تو فاسق لوگ دندناتے پھرتے ہیں۔ جب گھر کا مالک ہی غافل ہو تو چوروں کے لیے مال اٹھا کر لے جانا آسان ہوتا ہے۔ جس ملک میں حق پرست غیر موثر ہوں تو پھر وہاں فسق و فجور کی حکومت بن جاتی ہے۔ بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی قربانیاں رائیگاں گئیں۔ عملاً قربانیاں نئے راستے نکالتی ہیں اور اہل حق کو نئے محاذوں پر جنگ کرنے کے لیے حالات پیدا کر دیتی ہیں۔ اس طرح ایک تدریج سے بات آگے بڑھتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج اسلام کا نام لینے والے مخلص لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ ان کا تقویٰ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے معیار کا نہیں۔ ان میں جمعیت کا بھی فقدان ہے۔ ان بہت ساری خامیوں کے باوجود الحمدللہ دین کی شمع روشن ہے اور نورِ حق پھیل رہا ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی حق کا سورج طلوع ہوگا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد حق کا ساتھ دے گی۔

علامہ اقبالؒ نے اسی چیز کی پیشین گوئی کی ہے:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش

اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

شہداء کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں بلکہ حالات کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہو رہی ہیں۔تخلیق پاکستان کے وقت ایک لاکھ مسلمان ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ لگاتے ہوئے شہید ہوئے۔اٹھاون (۵۸) سالوں میں ان شہداء کے وارثوں نے اگر اسلام کو نافذ نہیں کیا تو اس میں قصور قائداعظمؒ کے فاسق وارثوں کا ہے۔جس طرح جنگ اُحد میں مدد آ کر واپس چلی گئی تھی، اسی طرح پاکستان بننے کے لیے مسلمانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے بھی اللہ کی مدد واپس چلی گئی۔اللہ کی مدد کے واپس جانے میں قصور ہمارا ہے۔اللہ کا وعدہ آج بھی سچا ہے۔اگر آج بھی پاکستان کا نصاب تعلیم اسلام کی روشنی میں بدل دیا جائے، حکمران نیک نیتی سے اصلاح کا عمل شروع کر دیں، عوام عدل وانصاف کے لیے جدوجہد کریں، عوامی بیداری سے حکمرانوں کو نکیل ڈالنے کی قوت پیدا ہو جائے، فرقہ پرستی اور لسانی اختلافات ختم کر دیے جائیں، عدالتیں قانون کے مطابق فیصلے کریں، بار بار مارشل لاء لگانے اور ذاتی بادشاہت قائم کرنے والے حکمرانوں کو پھانسیاں دی جائیں تو پاکستان اسلام کا گہوارہ بن کر دنیا کی نمبر ایک سپر طاقت بن سکتا ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اسلام کا خلافت راشدہ کا نظام صرف ۳۵ سال چلا ہے، باقی ساری کی ساری تاریخ بادشاہی کی ہے۔ بڑے بڑے قابل بادشاہ گزرے لیکن ان میں سے ایک بھی خلیفہ راشد کے مقام تک نہ پہنچ سکا۔ بڑے بڑے جرنیل پیدا ہوئے لیکن وہ قابل جرنیل بھی خلافت راشدہ کا نظام واپس نہ لا سکے۔ بڑے بڑے زاہد وعابد لوگ پیدا ہوئے لیکن وہ کوئی بڑی سیاسی اصلاح نہ کر سکے۔ چند سال نیک بادشاہوں نے عدل وانصاف ضرور قائم کیا۔حیف کہ مکمل اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا موقع کبھی نہ ملا۔صدیوں سے نامکمل اسلام پر ہی قناعت کر لی گئی۔

زیرِ بحث سوال کا آخری جواب یہ ہے کہ اقامت دین اور خلافت راشدہ کے قیام کے لیے اللہ کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم بحیثیت امت مسلمہ اللہ کی مدد کے مستحق نہیں ہیں۔ ہم وہ کام کرتے ہیں جن کی بنیاد پر اللہ کی مدد نہیں آتی یا آ بھی جائے تو جلدی واپس چلی جاتی ہے۔

مدد کا وعدہ ایک فرد کے ساتھ بھی ہے لیکن خلافت راشدہ کا وعدہ ایک فرد کے ساتھ نہیں، امت کے ساتھ ہے۔ جب تک امت مسلمہ بحیثیت مجموعی ایک امیر کی اطاعت میں صالحین، مجاہدین، شہدا علی الحق کی جماعت حزب اللہ نہیں بنتی، اس وقت تک خلافت راشدہ ایک خواب اور تمنا سے زیادہ حیثیت نہیں پا سکتی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ باہم متحد ہو کر ایک امت مسلمہ بن جائیں اور باطل قوتوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں۔

فتح کے بعد بھی مدد کی ضرورت رہتی ہے۔

غلبۂ اسلام کے لیے ایک فتح ہی کافی نہیں ۔ یہ ایک لمبے عرصے کی لڑائی ہے اس لیے یہاں قدم قدم پر فتح اور شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بعض اوقات ایک فتح سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جو اگلی شکست سے ضائع ہو جاتے ہیں ۔ روز روز کی کامیابیاں مزید ترقی کا ذریعہ بنتی ہیں ۔ نپولین ایک کامیاب جرنیل جارہا تھا لیکن واٹرلو کے میدان کی شکست نے اس کی ساری کامیابیاں خاک میں ملا دیں ۔ اسلام کی تکمیل بتدریج اور مرحلہ وار ہوتی ہے ۔ اس لیے آخری کامیابی تک بہت سی کامیابیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ فتح کے بعد بھی تکمیل دین کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ بیرونی ہی نہیں اندرونی محاذ پر بھی بہت تگ و دو کرنا پڑتی ہے ۔ مشکل ترین مرحلہ تو صرف نام کے مسلمان کو حقیقی مسلمان بنانا ہے ۔ اس لیے نفاذ اسلام کے لیے صرف قانون سازی اور حکومت کی تبدیلی کافی نہیں، عوام کی اصلاح اور نفاذ قانون ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

حکومت پر اہلِ حق کے قبضہ سے سارے مسائل فوری طور پر تو حل نہیں ہوتے البتہ بہت سی اصلاحات کی جاسکتی ہیں ۔ اقامت دین کا یہ سلسلہ عوام کی اصلاح اور تعاون سے جاری رہ سکتا ہے ۔ اندرون خانہ استحکام کے لیے بھی اللہ کی مدد کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور اللہ کی مدد کے بغیر اصلاح کا یہ کام مکمل نہیں ہوسکتا ۔ چنانچہ مدینہ کے منافقوں کا خاتمہ، مدینہ سے یہودیوں کا اخراج، نئے آنے والوں کی اصلاح اور تطہیر افکار و اعمال ایک ایسا عمل تھا جو جنگوں کے ساتھ ساتھ جاری رہا بلکہ آخری سانس تک اصلاح احوال کا عمل جاری رہا۔ آج بھی مطلق ایک فتح کافی نہیں ۔ اصلاح کا عمل ہمیشہ جاری رہنا چاہیے۔

اقامت دین اور نشاۃ ثانیہ کے لیے ضروری ہے کہ فتح اور حصول اِقتدار کے بعد بھی اللہ کی توفیق اور مدد کی دعا جاری رہے ۔ بعض اوقات فتح حاصل ہو جاتی ہے ۔ اہل حق اقتدار میں بھی آ جاتے ہیں لیکن عوام کا منفی ردعمل اتنا شدید ہوتا ہے کہ اہل حق جلد ہی اقتدار سے محروم ہو جاتے ہیں اور اصلاح کا عمل رک جاتا ہے ۔ سید احمد شہیدؒ نے خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرنے کی کوشش کی

ایک چھوٹے سے علاقے میں جو موجودہ تحصیل صوابی سے بھی چھوٹا تھا۔ اسلام کو اصل شکل میں نافذ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ اصلاحی عمل ڈیڑھ دو سال سے زیادہ نہ چل سکا اور مسلمان پٹھانوں نے اسلام ہی کے خلاف بغاوت کر دی۔ آج بھی حالات تقریباً اسی طرح کے ہیں۔

اگر جمہوریت کی وجہ سے اہل حق کو کبھی اقتدار مل گیا اور اصلاح عوام نہ ہو سکی تو عین ممکن ہے کہ پنج تار کی تاریخ دوبارہ دہرائی جائے۔ اس لیے جہاں اصلاح معاشرہ کی کوششیں جاری رہنی چاہئیں وہاں اللہ کی مدد اور استقامت کی دعا بھی ضروری ہے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ فتح مبین کے بعد بھی اللہ کی مدد کی ضرورت باقی رہتی ہے:

ونوں ون سوانیاں نیں تے بھرن گھڑے

بھریا اوہدا جانیے جس دا توڑ چڑھے

(میاں محمد بخشؒ)

اصلاح کے تدریجی نفاذ کو جاری رہنا چاہیے۔ ایک کامیابی کے بعد دوسری فتح مبین کے لیے جدوجہد جاری رہے۔ اسلام نظام کو قائم رکھنے کے لیے اسلامی نظام قائم کرنے سے کہیں زیادہ قوت کی ضرورت ہے۔ صبر، استقامت اور مسلسل جدوجہد تکمیل دین کے لیے ضروری ہیں۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ (الم نشرح ۹۴: ۵، ۶)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے۔ (حم السجدہ ۴۱: ۳۰)

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر قائم رہ۔

(مشکوٰۃ حدیث: ۱۳)

مدد کن کو نہیں ملتی

کافر

ہر وہ شخص کافر ہے جو اللہ کی وحدانیت، ربوبیت، الوہیت اور محمد ﷺ کی رسالت، قرآن کی حقانیت، آخرت اور فرشتوں کی حقیقتوں کو نہ ماننے اور اللہ کی عبادت سے گریز کرے۔ اہل کتاب کو بھی کافروں کی فہرست میں اس لیے گنا جاتا ہے کہ وہ رسالت محمدیہ کا انکار کرتے ہیں۔ کافر اگر سچے مسلمانوں کے مقابلے میں آئیں تو اللہ کافروں کی مدد نہیں کرتا بلکہ سچے مسلمانوں کی مدد کرتا ہے۔ لیکن اگر مسلمان بھی منافق اور فاسق ہوں اور کافروں جیسے ہی اعمال کریں تو پھر اللہ بعض اوقات کافروں کی مدد کر جاتا ہے جسے عرف عام میں توفیق کہتے ہیں۔ ناشکرے کو بھی کافر کہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ کو روکنے والے بھی کافر کہلاتے ہیں۔ مسلمان ہو کر جو کافروں کا ساتھ دے وہ بھی اللہ کے ہاں کافر ہی سمجھا جاتا ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ (آل عمران۳:۵۶)

جن لوگوں نے انکار کی روش اختیار کی ہے انہیں میں دنیا اور آخرت دونوں میں سخت سزا دوں گا اور وہ کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ (آل عمران۳:۲۲)

جو لوگ اللہ کے احکام اور ہدایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں جو خلق خدا میں سے عدل اور راستی کا حکم دینے کے لیے اٹھیں ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو، یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے اور ان کا مددگار کوئی نہیں ہے۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (الفتح ۴۸:۲۲) یہ کافر لوگ اگر اس وقت تم سے لڑتے تو یقیناً پیٹھ پھیر جاتے اور کوئی حامی و مددگار نہ پاتے۔

سورۃ کہف میں ایک باغ والے کا قصہ بیان ہوا ہے۔ وہ اپنی جان پر ظلم کیا کرتا تھا، ناشکرا اور آخرت کا منکر تھا۔ اس کا باغ تباہ کر دیا گیا۔ اس تباہی کے بعد وہ اپنی کنجوسی اور غلط کاری پر پچھتایا۔ اس مقام پر ارشاد ہوا:

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا (الکہف ۱۸:۴۳) اور اس کے پاس اللہ کو چھوڑ کوئی جتھا نہ ہوا جو اس کی مدد کرتا اور نہ وہ آپ ہی اس آفت کا مقابلہ کر سکا

مشرک

ہر وہ شخص مشرک ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائے۔ شرک ایک مذہب اور تہذیب بن چکا ہے جیسے ہمارے ہمسائے میں ہندو اور مکہ کے مشرکین عرب۔ بعض اہل کتاب اور مسلمان بھی مشرکانہ افعال میں ملوث ہو جاتے ہیں، ایسے کلمہ گو مسلمانوں اور اہل کتاب کو مشرک نہیں کہا جاتا بلکہ یہ لوگ ظالم اور فاسق شمار ہوتے ہیں، البتہ مسلمانوں سے مشرکانہ افعال کا سرزد ہو جانا انہیں اللہ کے ہاں دوہرے عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے۔ اللہ مشرکوں اور شرک کا ارتکاب کرنے والے مسلمانوں کی بھی مدد نہیں کرتا اور جن کو مدد کے لیے پکارا جاتا ہے وہ بھی کسی قسم کی مدد کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَا اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۱۹۱،۱۹۲) کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد پر قادر ہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے خدا بنا لیے ہیں اور یہ

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ (یٰس ۳۶:۷۵،۷۶) امید رکھتے ہیں کہ ان کی مدد کی جائے گی ۔ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے بلکہ یہ لوگ الٹے ان کے لیے حاضر باش لشکر بنے ہوئے ہیں ۔

منافق

ہر وہ شخص منافق ہے جو دو عقیدے اور دوہرا عمل رکھتا ہے، زبان سے کلمہ پڑھتا ہے لیکن دل میں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کے خلاف بغض اور عناد رکھتا ہے ۔ اسلام کو مٹانے اور اللہ کے کلمے کو نیچا دکھانے کے لیے سرگرم عمل رہتا ہے ۔ اس کی زندگی کے دو رخ ہوتے ہیں ۔ منافقوں کی پہچان کے لیے قرآن اور حدیث میں بڑی واضح ہدایات دی گئی ہیں اور معمولی سوجھ بوجھ کا شخص بھی ان منافقوں کو پہچان سکتا ہے ۔ جنگ بنو قریظہ میں مدینے کے منافقوں نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے جنگ کی تو وہ یہودیوں کا ساتھ دیں گے لیکن جب یہ جنگ عملاً شروع ہوئی تو مدینے کے منافق یہودیوں کی مدد کو نہ آئے ۔ اس پر ارشاد ہوا:

لَئِنْ أُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (الحشر ۵۹:۱۲) اگر وہ نکالے گئے تو یہ (منافق) ان کے ساتھ ہرگز نہ نکلیں گے اور اگر ان (یہودیوں) سے جنگ کی گئی تو یہ ہرگز ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر یہ ان کی مدد کریں بھی تو پیٹھ پھیر جائیں گے اور پھر کہیں سے کوئی مدد نہ پائیں گے

بخیل

بخل کے معنی ہیں کنجوسی ۔ کنجوس کئی قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو اللہ کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کو تیار نہیں، دوسرے وہ جو اپنی ذات پر بھی خرچ نہیں کرتے اور دن رات مال جمع کرنے کی حرص میں لگے رہتے ہیں ۔ کچھ کنجوس ایسے ہیں کہ ریاءالناس پر تو خرچ کر دیتے ہیں لیکن

کسی نیک کام پر خرچ نہیں کرتے ۔موسیٰ علیہ السلام کا ایک رشتہ دار قارون تھا۔اس وقت کی دنیا کا امیر ترین شخص لیکن اللہ کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کو تیار نہ تھا۔آخر اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے خزانے کو زمین میں غرق کر دیا۔اس انجام پر قرآن کا تبصرہ ہے:

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ﴿٨١﴾ (القصص ۲۸:۸۱)

آخر کار ہم نے اسے (قارون) اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر کوئی اس کے حامیوں کا گروہ نہ تھا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کو آتا اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا۔

ظالم

ظلم انصاف کی ضد ہے۔عدل و انصاف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے حقوق پورے کے پورے ادا کر دیے جائیں۔ چونکہ حقوق و فرائض کی فہرست بہت لمبی ہے اس لیے ظلم کے بھی بہت سے پہلو ہیں۔کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، اللہ کی عبادت سے منہ موڑنا، اللہ کے مقابلے میں خود مختاری کا دعویٰ کرنا، انسانوں پر قوت سے تشدد کرنا، لوگوں کی جائیدادوں پر قبضہ کرنا، لوگوں کو ستانا، ان کو مالی، اخلاقی اور نفسیاتی طور پر نقصان پہنچانا وغیرہ ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بڑی تفصیل سے ظالموں کی مدد نہ کرنے کا ذکر کیا ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿٧١﴾ (الحج ۲۲:۷۱)

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہیں جن کے لیے نہ تو اللہ نے کوئی سند نازل کی ہے اور نہ یہ خود ان کے بارے میں علم رکھتے ہیں۔ان ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٨﴾ (الشوریٰ ۴۲:۸)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ان ظالموں کا نہ کوئی حامی ہے اور نہ مددگار۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ (آل عمران ۳:۱۹۲)
اے ہمارے رب تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اسے درحقیقت بڑی ذلت اور رسوائی میں ڈال دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

گمراہ

اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ اس نے انسان کی ہدایت کے لیے قرآن مجید اور محمد ﷺ کو بھیجا۔ جو لوگ مان گئے وہ ہدایت پا گئے، جن لوگوں نے سوچ سمجھ کر قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کر دیا، وہ ہدایت سے محروم ہو گئے۔ بعض مسلمان زبانی کلمہ پڑھنے کے باوجود قرآن کی دی ہوئی ہدایت سے عملاً محروم رہتے ہیں۔ یہ بھی اس طرح گمراہ ہیں جس طرح کہ قرآن کا انکار کرنے والے۔ جو لوگ جان بوجھ کر ہدایت سے منہ موڑ لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور اس دنیا میں ان کی کسی قسم کی بھی مدد نہیں فرماتا:

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ (النحل ۱۶:۳۷)
اے محمد ﷺ تم چاہے ان کی ہدایت کے لیے کتنے ہی حریص ہو مگر اللہ جس کو بھٹکا دیتا ہے پھر اسے ہدایت نہیں دیا کرتا اس طرح کے لوگوں کی مدد کوئی نہیں کر سکتا۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ (الروم ۳۰:۲۹)
مگر یہ ظالم بے سمجھے بوجھے اپنے تخیلات کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ اب کون اس شخص کو راستہ دکھا سکتا ہے، جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو ایسے لوگوں کا تو کوئی بھی مددگار نہیں ہو سکتا۔

فاسق

فاسق کا مطلب ہے نافرمان۔ وہ مسلمان جو دعویٰ ایمان کے باوجود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا فاسق کہلاتا ہے۔ فاسق کی کئی قسمیں ہیں۔ اصل مسلمان وہ ہے جو

پورے کے پورے اسلام پر عمل کرتا ہے۔ جو اسلام کے جتنے فرائض چھوڑ دے گا، اسی نسبت سے فاسق ٹھہرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ مومنین صادقین کے ساتھ کیا ہے، جزدی یا کلی نافرمان مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے مدد کا کوئی وعدہ نہیں کیا:

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ (النساء۴:۱۲۳)

انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر، جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے کوئی حامی و مدد گار نہ پاسکے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ إِنْ عَصَيْتُهٗ ۗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ (ہود۱۱:۶۳)

اے برادران قوم، تم نے کچھ اس بات پر غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا، اور پھر اس نے اپنی رحمت سے بھی مجھے نواز دیا تو اس کے بعد اللہ کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تم میرے کس کام آسکتے ہو سوائے اس کے کہ مجھے اور زیادہ خسارے میں ڈال دو

وَإِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا أَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ (توبہ۹:۷۴)

اگر یہ (منافق) اپنی روش سے باز نہ آئے تو اللہ ان کو نہایت دردناک سزا دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور زمین میں کوئی نہیں جو ان کا حمایتی اور مددگار ہو۔

تفرقہ

حضرت عائشہؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ جمل کی وجہ سے عشرہ مبشرہ میں سے دو عظیم صحابی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور بھی کئی صحابہ رضی اللہ عنہم اس تفرقہ کی بھینٹ چڑھ

گئے۔ جنگ صفین میں بھی ہزاروں کے حساب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دونوں طرف سے شہید ہوئے۔ شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا تفرقہ خلافت راشدہ کے زوال کا سبب بنا اور آج بھی وہ تفرقہ قائم ہے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں تو دو گروہ تھے اور آج مسلمانوں میں ستر (۷۰) سے کہیں زائد فرقے ہیں۔ اللہ کا یہ وعدہ ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال ۸:۴۶)

آج کوششوں کے باوجود تفرقہ بڑھ رہا ہے۔ امت کے ذمہ دار علماء کرام، پیران عظام، حکمران اور سیاستدان سب کے سب فرقہ پرستی کو ہوا دے رہے ہیں۔ اس تفرقہ کی وجہ سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سارے منصوبے ناکام ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں حکم دیا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا، اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں فلاح کا راستہ نظر آ جائے۔ تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی

الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (آل عمران ۳:۱۰۴-۱۰۵)

کی طرف بلائیں ، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں، جولوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے ۔کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہو گئے ،جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ سخت سزا پائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ (الانعام ۶:۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور گروہ در گروہ بن گئے ، یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ (توبہ ۹:۵۶)

وہ خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہی میں سے ہیں حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں اصل میں تو وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے جدا ہیں۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (الروم ۳۰:۳۲)

(ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا) جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی میں مگن ہے۔

تفرقہ کے بارے میں ایک غلط فہمی دور کر لینی چاہیے۔اپنے ملک میں مذہبی تفرقہ زوروں پر ہے،اس لیے جب فرقہ پرستی کی بات ہوتی ہے تو ذہن فوراً مذہبی تفرقہ کی طرف چلا جاتا ہے حالانکہ قرآن جس تفرقہ کو نقصان دہ خیال کرتا ہے وہ سیاسی اور حربی تفرقہ ہے۔ نیچے درج کی گئی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۹ میں جو حکم درج ہے اس کے مطابق تفرقہ کو امارت اور سیاست کے ضمن میں لینا چاہیے۔مسلمانوں کے موجودہ زوال کی اصل وجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ ۵۹ آزاد اور خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہے اور ان کا ایک امیر المومنین نہیں ہے۔یہی وہ اصل انتشار ہے جس کی وجہ

سے ایک ارب مسلمان کوئی قابل ذکر قوت نہیں بن سکے اور چھوٹا سا ملک اسرائیل سارے مسلمان ملکوں پر بھاری ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پہلے سیاسی تفرقہ واقع ہوتا ہے اور بعد میں یہ مذہبی تفرقہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین سیاسی نوعیت کی تھیں۔ پھر علوی، اموی اور عباسی آپس میں لڑے۔ امت مسلمہ کی ان ایک صدی پر محیط جنگوں کے نتیجے میں جو سیاسی اور مذہبی انتشار واقع ہوا اس نے مذہبی فرقوں کو جنم دیا۔ ایک شیعان علی اور دوسرے اہل سنت والجماعت اور تیسرے معتزلہ۔

یہ تینوں فرقے آج بھی موجود ہیں۔ اپنے ملک کے شیعہ حضرات کا مذہب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی امامت کے گرد گھومتا ہے اور اہل سنت اپنے عقائد کی بنیاد خلافت راشدہ کو بناتے ہیں۔ تیسرا گروہ سیکولر عناصر کا ہے جو امامت اور خلافت دونوں سے بے نیاز مغربی جمہوریت کے پیروکار ہیں۔ آگے چل کر ان مذہبی فرقوں کی کئی شاخیں بن جاتی ہیں۔ اس تفرقے کی اصل سیاسی ہی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم غیر سیاسی ہیں وہ بھی سیاست دانوں ہی کے پشتیبان ہیں۔ میری رائے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ۷۲ فرقوں کی بات کی ہے اس سے مراد یہ سیاسی ریاستیں ہیں جن کی تعداد قرب قیامت میں ۵۹ سے بڑھ کر ۷۲ ہو جائے گی۔

امت مسلمہ کے تفرقے کو اس طرح بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ریاستی تفرقہ، آزاد ممالک	۵۹
مذہبی تفرقہ، مذہبی گروہ	۰۷
لسانی تفرقہ، بڑی زبانیں عربی، فارسی، اردو، بنگالی، ملائی وغیرہ	۰۶
کل فرقے	۷۲

ہو سکتا ہے کہ کل اس تفرقہ کی کوئی اور شکل بن جائے۔ امت مسلمہ میں اس تفرقہ کو ختم کرنے کے لیے ایک تجویز ہے کہ مسلمان ملکوں کی ایک اقوام متحدہ، یونین یا کنفیڈریشن بنائی جائے

جس کی اساس اسلامی قوانین کا نفاذ، مشترک فوج اور مشترک مالیاتی نظام ہو، سرکاری زبان عربی ہو، ویزہ سسٹم ختم کر دیا جائے اور ہر مسلمان کو پوری اسلامی دنیا میں تعلیم، صحت اور کاروباری سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہو۔ تمام امت مسلمہ ایک امیر المومنین کی قیادت میں باطل قوتوں کا مقابلہ باہم اتحاد واتفاق سے کرے۔ تمام وسائل پوری امت کی اصلاح پر خرچ کیے جائیں۔

اگر ہم کوئی ایسا طریقہ ایجاد کریں کہ یہ تفرقہ بین المسلمین مٹ جائے تو اسلام کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہے۔ مکمل اسلام کی تبلیغ، تعلیم اور صحیح تربیت سے تفرقہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ جو کچھ اس کتاب میں بیان ہو چکا ہے اگر آج پاکستان کا مسلمان ان ہدایات پر عمل کرے تو نشاۃ ثانیہ ممکن ہے اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو سکتی ہے، کمی کام کرنے والوں میں ہے۔ جو لوگ محنت اور جہاد کر بھی رہے ہیں، ان میں بھی ایسی کوتاہیاں ہیں کہ اللہ کی مدد آ کر واپس چلی جاتی ہے۔ افغانستان کا جہاد اس کی ارفع مثال ہے۔ لاکھوں شہید ہو گئے، ملک تباہ ہو گیا لیکن اسلامی نظام خلافت کا انعقاد ابھی بہت دور ہے۔ افغانستان کے برے حالات میں تفرقے کا دخل بہت زیادہ ہے۔ کاش یہ لوگ جو اسلام کے نام پر قتل وغارت گری کر رہے ہیں، اسلام کے مرکزی اصول اتحاد پر بھی عمل کرتے۔

فرقہ پرستوں کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ ضد میں آ جاتے ہیں۔ اپنی بات کو صحیح اور دوسروں کی بات کو غلط سمجھتے ہیں حالانکہ اختلاف رائے کے باوجود ایک مشترکہ مؤقف اپنایا جا سکتا ہے۔ جو عمل اہم ہے، اسے اہمیت دی جائے جو کم اہم ہے اس پر ضد نہ کی جائے تو اختلافات کو کم کیا جا سکتا ہے۔ سب مسلمانوں سے درخواست ہے کہ تفرقہ کو مٹانے کے لیے اپنی رائے پر اصرار کرنا چھوڑ دیں۔ دشمن کی چالوں کو سمجھیں۔ ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں اور شیطان کے پیروکاروں کی کامیابی اسی میں ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑا رہے۔

یہ تفرقہ کیسے ختم کیا جائے؟ اس پر بہت لمبی بحث ہو سکتی ہے، اپنے شاگردوں کی اصلاح

کے لیے صرف ایک آیت درج کی جاتی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (النساء۴:۵۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اوران لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے پاس اپنے اختلافات پیش کرنے کا طریقہ موجودہ زمانے میں یہ ہے کہ قرآن وسنت کو ماخذ مان کر اصلاح احوال کی جائے، خدا سے ڈرنے والے صحیح اہل علم کی رائے کو ترجیح دی جائے، اہل الرائے سے مشاورت کر لی جائے، فقہاء پر مشتمل کوئی ادارہ بنا دیا جائے وہ ایک متوازن نظام تجویز کریں اور قانون ساز ادارے اسے قانونی شکل دے کر ملک میں نافذ کر دیں۔ دنیا کی محبت میں غرق علماء اللہ کی بات صحیح طور پر اور عین حق کے مطابق بیان نہیں کرتے۔

مدد آ کر واپس چلی جاتی ہے

جنگ اُحد اور جنگ حنین دو ایسی جنگیں ہیں جن میں اللہ کی مدد اور فرشتوں کی امداد ہونے کے باوجود کافروں کا پلہ بھاری رہا۔ اُحد میں تو شکست واضح تھی لیکن جنگ حنین میں ابتدائی خفت کے بعد مسلمان سنبھل گئے اور کافروں کو دردناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ ان دونوں مواقع کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھرپور تبصرہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کی مدد آ کر واپس چلی گئی اور اُحد کی جیتی ہوئی جنگ کیسے ہاری گئی؟

اُحد میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ کافر میدان چھوڑ کر وقتی طور پر بھاگ گئے، مسلمان جنگ چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ بھاگتے ہوئے کافروں کا پیچھا کرتے اور کافروں کو مستقل طور پر حدود مدینہ سے بھگا دیتے۔ لوٹ مار میں مصروف ہونے کی وجہ سے مسلمان کافروں کا پیچھا نہ کر سکے اور کافروں کو سنبھلنے اور دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ ادھر اُحد میں ایک درہ تھا جس سے عقب سے حملے کا خطرہ تھا۔ اس درے کی حفاظت کے لیے حضور ﷺ نے پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم کو عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں تعینات کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میدان جنگ میں ہماری بوٹیاں بھی نوچ لی جائیں تو تم نے یہاں سے نہیں ہٹنا۔ جب کافروں میں بھگدڑ مچی اور مسلمانوں نے لوٹ مار شروع کر دی تو درّے پر کھڑے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ نے اصرار کیا کہ ہم بھی لوٹ مار میں شامل ہو جائیں۔

قدیم زمانہ میں جنگ کا یہ اصول تھا کہ مال غنیمت اس کا جس نے لوٹا اسلام نے اس اصول کو بدل دیا اور تمام فوج میں برابر تقسیم کا نظام رائج کیا۔ درّے میں موجود کچھ لوگ نئے تھے۔ ان کو مساوات کے اس اصول کا پتہ نہ تھا اس لیے انہوں نے لوٹ مار میں شامل ہونے پر اصرار کیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت سمجھایا کہ نبی ﷺ کا حکم ہے ہمیں نہیں جانا چاہیے لیکن پینتس (۳۵) صحابہ درّہ سے ہٹ گئے۔ درّہ خالی پا کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو اس وقت لشکر کفار میں تھے، نے گھوڑ سواروں کے ہمراہ پیچھے سے حملہ کر دیا۔ باقی لشکر قریش بھی پلٹ آیا

اور اس طرح مسلمان غفلت میں مارے گئے اور جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوگئی۔ خود حضور ﷺ بھی گڑھے میں گر گئے اور شدید زخمی ہوگئے۔ فدا کاروں نے نبی ﷺ کی حفاظت کی اور آپ ﷺ کو احد پہاڑ پر لے گئے۔ اس طرح کافر اپنے آپ کو فاتح سمجھ کر واپس مڑ گئے۔ مسلمانوں کے ستر (۷۰) افراد شہید ہوئے۔ مدد تو وعدے کے مطابق آئی مسلمان غالب آگئے لیکن فتح کے آخری لمحات میں مسلمانوں سے جو کوتاہی ہوئی اس پر قرآن کا تبصرہ درج ذیل ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾

(آل عمران ۳: ۱۵۲، ۱۵۳)

اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا، ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے اور حق یہ ہے کہ اس نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی عنایت رکھتا ہے۔ یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسول ﷺ تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا، اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیے تا کہ آئندہ کے لیے تمہیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو، اللہ

تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

ان آیات کی روشنی میں ان وجوہات پر تھوڑا سا غور کر لیں کہ مدد آ کر کیوں واپس چلی گئی۔

فَشِلْتُمْ (تم نے کمزوری دکھائی)

سب سے بڑی کمزوری دفاع سے غفلت تھی۔ جاری جنگ میں سب سے اہم فریضہ یہ تھا کہ بھاگنے والے دشمنوں کا تعاقب کر کے ان کو قتل کیا جاتا تاکہ دشمن کی قوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔ لیکن مسلمانوں نے صحیح انداز میں کافروں کا تعاقب نہ کیا اور کفار چند قدم دور جا کر دوبارہ منظّم ہو گئے۔ لوٹ مار کی وجہ سے تنظیم درہم برہم ہو گئی۔ جب کافروں نے واپس دوبارہ حملہ کیا تو مسلمان منتشر ہو گئے اور جم کر نہ لڑ سکے حتیٰ کہ خود نبی ﷺ اکیلے رہ گئے۔ کافروں نے موقع غنیمت جان کر آپ ﷺ کو زخمی کر دیا۔ سپہ سالار کا تنہا رہ جانا ایک بہت بڑی کمزوری تھی۔ اس کوتاہی اور کمزوری دکھانے میں ساری فوج شامل تھی۔ اکیلے درے والوں کو مورد الزام ٹھہرانا مناسب نہیں۔

تَنَازَعْتُمْ (تم نے تنازعہ کیا)

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے روکا اور اصرار کیا کہ ہم درہ نہیں چھوڑ سکتے اور لوگوں کو نبی ﷺ کا حکم یاد دلایا لیکن ۳۵ آدمیوں نے تنازع کھڑا کر دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ، سپہ سالار اور سردار کے حکم پر تنازع کی گنجائش عین حالت لڑائی میں ہرگز نہیں ہوتی۔ بعض اوقات سپہ سالار عین حالتِ لڑائی میں غلطیاں کر جاتے ہیں لیکن یہاں عام سالار نہیں اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس لیے اس موقع پر سمع و طاعت کا نظام پورے کا پورا لاگو ہوتا ہے۔ اختلاف کا موقع مدینے میں تھا۔ یہاں حالت جنگ میں اختلاف کرنا گناہ تھا۔ طے شدہ حکمت عملی پر تنازع نے ساری جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تنازعات اور اختلافات کے اظہار کے ادارے بنائے ہوئے ہیں۔ ایک کارکن ان اداروں پر اپنا مافی الضمیر کھل کر بیان کر سکتا ہے اور اختلافی امور پر بحث بھی ہو سکتی ہے لیکن جنگ اُحد کا یہ موقع اطاعت اور شہادت کا تھا، تنازع کا نہ تھا۔

عَصَيْتُمْ (تم نے نافرمانی کی)

نبی ﷺ اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے فریضۂ رسالت ادا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بالکل واضح تھا:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲

ان سے کہو کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت قبول کر لو پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو ایسے انکار کرنے والوں سے اللہ محبت نہیں کرتا۔ (آل عمران ۳:۳۲)

اس مقام پر خود رسول اللہ ﷺ کا حکم بھی واضح اور پر حکمت تھا۔ ایسے حکم کی خلاف ورزی اہل ایمان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ علم، عقل اور عسکری اصولوں کی روشنی میں درہ سے ہٹنا اور سپہ سالار کے حکم کی خلاف ورزی کرنا اصولِ نصرت کے صریحاً خلاف ثابت ہوا۔ اسی طرح بھاگتی فوج کا پیچھا کر کے ان کی عسکری قوت ختم نہ کرنا بھی اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی تھی۔

اَرَا کُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ (تمہیں وہ چیز نظر آئی جس سے تم محبت کرتے تھے)

یہ محبوب چیز مال غنیمت اور سیم و زر تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قاتل مقتول کے مال پر قبضہ کر لیتا تھا۔ جس نے لوٹ لیا بس وہ اسی کا ہوتا تھا۔ اسلام نے یہ پرانا اصول بدل دیا۔ نیا قانون یہ بنا کہ لوٹ کا تمام مال ایک جگہ سپہ سالار کی نگرانی میں جمع کر دیا جائے۔ بیت المال کا پانچواں (۱/۵) حصہ نکال کر باقی مساوات کے قانون کے مطابق ساری فوج میں تقسیم کر دیا جائے۔ گھوڑ سوار کو دوہرا اور پیدل کو اکہرا حصہ ملتا تھا۔ درے پر مامور لوگوں میں سے کچھ نئے لوگ تھے جو اس قانون اسلام سے واقف نہ تھے۔ زمانہ جاہلیت کے طریقے پر مال غنیمت کے لالچ میں آ گئے اور دنیا کی حرص نے عقل پر پردہ ڈال دیا اور نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔

يُرِيْدُ الدُّنْيَا (دنیا کے حصول کا ارادہ)

جنگ اُحد میں بے لوث مخلص مجاہدین کی اکثریت تھی لیکن چند دنیا کے طالب بھی موجود

تھے اور اس طلبِ دنیا نے ان میں کوتاہی کرنے کی جسارت پیدا کر دی۔ اسلام کا واضح حکم یہ ہے کہ یہ مال و زر دنیا کی زندگی گزارنے کا سامان ہے۔ اسے جائز طریقے سے حاصل کر کے صحیح طریقے سے استعمال کریں اور دنیاوی فوائد حاصل کریں۔ جائز حدود میں کمانا اور جائز طریقے سے خرچ کرنا باعث اجر و ثواب ہے لیکن حدود اللہ کو توڑ کر مال حاصل کرنا اور اس کی محبت میں مبتلا ہو کر حرصِ دنیا اور حبِ دنیا کا مظاہرہ کرنا، فسق ہے۔ دنیا کی محبت اگر اللہ کی محبت پر غالب آ جائے تو انسان عمل میں نافرمان بن جاتا ہے، ظلم کرتا ہے، خود اپنی آخرت خراب کر کے اپنا مستقبل تباہ کرتا ہے۔ بہت سی غلطیاں اور کوتاہیاں کرتا ہے اور یہ حبِ دنیا کی کوتاہی یہاں موجود تھی۔

صَرَفَكُمْ (تمہیں پھیر دیا، پس پا کر دیا)

شکست کی وجہ سے لوگ افراتفری میں بھاگ اٹھے نبی ﷺ اور مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ اس انتشار میں نبی ﷺ تنہا رہ گئے اور زخمی ہوئے۔ نبی ﷺ کی پکار پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوبارہ جمع ہوئے تو شکست تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ بچے ہوئے لوگ ایک تنظیم کے تحت پسپا ہو کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ ادھر کافروں نے آگے بڑھ کر مدینہ پر قبضہ کرنے کی بجائے اس عارضی فتح پر قناعت کر لی اور خود ہی جنگ کو روک کر ایک دوسری پہاڑی پر چڑھ گئے۔ مسلمانوں کی یہ پسپائی گو ایک شکست تھی لیکن اللہ کی رحمت سے یہ ایک جزوی نقصان تھا، مکمل تباہی نہ تھی۔ اس موقع پر بھی اللہ کا فضل شامل حال ہوا اور کافر نعرے مارتے ہوئے واپس چلے گئے۔

لِيَبْتَلِيَكُمْ (تاکہ تمہاری آزمائش کرے)

جنگ اُحد کا سارا ماحول ہی تمام مسلمانوں کی آزمائش بن گیا۔ تین سو منافقوں کا عبداللہ بن ابی کے ساتھ واپس مڑ جانا، قبیلہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کا جنگ پر آمادہ ہو جانا، کافروں کا تعاقب نہ کرنا، درّہ پر مقرر لوگوں کا کردار، ۷۰ آدمیوں کی شہادت، خود نبی ﷺ کی بہادری اور ثبات، مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم کی استقامت، مالِ غنیمت کی لوٹ اور حُبِ دنیا کا مظاہرہ، الغرض بہت سے پہلو تھے جن میں مسلمان آزمائے گئے۔ ہر شخص کا ایمان آزمایا گیا اور اس شکست کے باوجود اہلِ ایمان

امتحان میں کامیاب ہوئے۔جنہوں نے کوتاہی کی تھی اللہ تعالیٰ نے بعد میں ان کو معاف کر دیا۔ اس طرح شکست کا یہ داغ دھل گیا اور تمام اہل اُحد پر اللہ کا فضل ہوگیا۔''**عفاعنکم**'' کا لفظ اس معافی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو انہیں موقع پر ہی مل گئی۔جب معافی مل جائے تو تمام گناہ دھل جاتے ہیں اور ماضی کی تلخیاں ختم کر کے نئے عزم سے آگے جدو جہد شروع ہو جاتی ہے۔

تُصْعِدُوْنَ (تم بھاگتے چلے جا رہے تھے)

اسلام میں میدانِ جنگ سے فرار ہونا حرام ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ (الانفال ۸:۱۵)

اے ایمان والو جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دو چار ہو تو ان کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرو۔

وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۶﴾ (الاحزاب ۳۳:۱۵،۱۶)

ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی باز پرس تو ہونی ہی تھی۔اے نبی ﷺ ان سے کہو اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے تو یہ بھاگنا تمہارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا، اس کے بعد مزے لوٹنے کا تھوڑا ہی موقع تمہیں مل سکے گا۔

حضرت ابی قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کے سوال کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَیْرَ مُدْبِرٍ (مشکوٰۃ حدیث:۳۶۲۹)

ہاں (تیرے گناہ معاف کر دیے جائیں گے) اگر تو اللہ کی راہ میں اس حال میں قتل ہو گیا کہ تو صبر کرنے والا ہو، طالبِ ثواب ہو، متوجہ ہو، پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو۔

ان واضح احکامات کے باوجود جنگ احد میں جب شکست ہوئی تو کچھ لوگ میدان سے بھاگ نکلے۔ایک گروہ کے بھاگنے سے پوری فوج میں افراتفری پھیل گئی اور جو تھوڑا بہت مقابلہ کیا

جا سکتا تھا وہ بھی نہ ہو سکا۔ اس طرح شکست کی شدت میں اضافہ ہو گیا اور جو دلیر اور بہادر لوگ میدان میں ڈٹے ہوئے تھے، وہ بھی جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ اس طرح ۷۰ آدمی شہید ہو گئے۔

لَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ (کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا تمھیں ہوش نہ تھا)

زندگی کی محبت اور موت کے خوف سے انسان اس قدر بدحواس اور بے صبر ہو جاتا ہے کہ اسے اپنی ذات کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر نفع، ہر ہمدرد اور ہر مقصد سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ بلند آواز میں پکار رہے ہیں، صحابہ کبار رضی اللہ عنہم آوازیں دیں رہے ہیں لیکن یہ بھاگنے والے پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس بدحواسی نے بہت نقصان پہنچایا۔ صرف بھاگنے والوں ہی کا نقصان نہیں ہوا بلکہ پوری فوج کا نقصان ہو گیا۔

غَمًّا بِغَمٍّ (رنج پر رنج دیے)

ہر مسلمان غمگین تھا اور اس غم کے کئی پہلو تھے۔ شکست کا غم، نبی ﷺ کی موت کی خبر کا غم، ساتھیوں کی شہادت کا غم، بھاگنے والوں کی بزدلی کا غم، دشمن کے غلبے کا خوف، اپنی کمزوری پر افسوس، اگر آگے بڑھ کر دشمن مدینہ شہر میں داخل ہو گیا تو شہر کا حشر ہونے کا غم۔ غموں کے اس انبار نے مخلص لوگوں کی قوت کارکردگی کو بھی کم کر دیا۔

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةَ (جاہلانہ بدگمانی کی)

آیت نمبر ۱۵۴ میں بتایا گیا کہ میدان اُحد کے بھگوڑوں نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق مختلف قسم کی بدگمانیاں کیں اور منافقین نے پروپیگنڈا کیا۔ بعض نے کہا کہ اللہ کا وعدہ پورا نہیں ہوا۔ بعض منافقین کہنے لگے کہ اگر ہمارا مشورہ مان لیا جاتا تو یہ ہزیمت نہ اٹھانا پڑتی۔ بعض نے جنگ کی حکمت عملی پر بھی تنقید شروع کر دی۔ ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم اور سپہ سالاری پر پورا اعتماد اور یقین ہوتا لیکن اس جاہلانہ بدگمانی نے مدینے کے ماحول کو خراب کر دیا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فضا ٹھیک کر دی۔

اَسۡتَزَ لَّهُمُ الشَّيۡطٰنُ (شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیے تھے)

آیت نمبر ۱۵۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ہر وقت مردِ مومن کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ جب مسلمان کوئی کمزوری دکھاتا ہے تو وہ آگے بڑھ کر اسے بزدل اور ناکارہ بنانے کی تدبیر کرتا ہے۔ اس موقع پر بھی شیطان نے مسلمانوں کو بزدل بنانے اور میدان جنگ سے بھاگ جانے کی راہ سجھائی۔ اس طرح مسلمان پھسل گئے۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ کی پکار پر واپس پلٹ کر پہاڑی پر چڑھ گئے۔

وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ (اور پس اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا)

یہ آیت نمبر ۱۵۵ کے الفاظ ہیں۔ جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے جنگ اُحد کے دن غلطیاں ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی وقت معاف کر دیا، ان سے عفو و درگزر کیا۔ اللہ تعالیٰ ان پاکیزہ نفوس کی غلطیاں معاف کر چکا ہے اس لیے ہمیں ان کی غلطیوں کا تذکرہ کر کے طعن و تشنیع کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ سب اللہ کے پیارے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر کے ان سے راضی ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم

البتہ ہم نصیحت حاصل کرنے کے لیے ان واقعات کا ذکر کر سکتے ہیں اور سبق حاصل کر کے ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ آخر انسان خطا کا پتلا ہے۔ عقل مند وہ ہے جو ماضی کے واقعات سے نصیحت حاصل کرے۔

جنگ حنین کی صورت حال مختلف تھی۔ وہاں تھوڑی سی ہزیمت کے بعد فتح نصیب ہوئی:

لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىۡ مَوَاطِنَ كَثِيۡرَةٍ ۙ وَّ يَوۡمَ حُنَيۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَيۡـًٔا وَّضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّيۡتُمۡ مُّدۡبِرِيۡنَ ۚ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى	اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ ابھی غزوۂ حنین کے روز (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد کا تکبر تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر

الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ (التوبہ۹:۲۵،۲۶)

اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول ﷺ پر اور مومنوں پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔

ان آیات میں اللہ کی آئی ہوئی مدد کا ابتدائی طور واپس جانا ، ایک اہم واقعہ کی طرف نشان دہی ہے ۔ جب لوگ ابتدائی تیر اندازی کا مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگ اٹھے تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اپنے رسول ﷺ کی مدد کی ۔ یہاں ابتدا ہی میں عارضی طور پر مدد کا روک لینا غرور اور کثرت پر تکبر کی وجہ سے تھا۔ اس غرور کی وجہ یہ تھی کہ مکہ اور گرد و نواح کے نو مسلم بھی اس فوج میں شامل تھے ۔ وہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کا انہیں تجربہ نہ تھا۔ اس لیے وہ زمانہ جاہلیت کے طریقے پر بھاگ اٹھے ۔ ان ناتجربہ کار لوگوں کی وجہ سے اللہ کی مدد سے عارضی ہی سہی محرومی دیکھنا پڑی۔

تکبر اللہ کو سخت ناپسند ہے ۔ اُحد اور حنین کی دو جنگوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق مدد کرتا ہے لیکن اگر مجاہدینِ اسلام کوئی خلافِ اسلام حرکت کریں تو پھر آئی ہوئی مدد واپس چلی جاتی ہے۔ اوپر کی آیات میں کافی تفصیل سے بتا دیا گیا ہے کہ وہ کیا لغزشیں ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دورانِ جنگ ہوئیں ۔ اگر کوئی قوم ، ملت یا گروہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزیاں جنگ سے بھی پہلے کر لے تو ایسے لوگوں کی سرے سے مدد ہوتی ہی نہیں ۔ ہم موجودہ دور میں اقامتِ دین کی کوشش کر رہے ہیں ۔ تمام کوششوں کے باوجود اللہ کی مدد ابھی تک نہیں آئی اور اللہ کا کلمہ بھی سر بلند نہیں ہوا۔ اس محرومی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم ایسے اعمال کر رہے ہیں جو ہماری دعوت ہی کے خلاف ہیں ۔ اس دو عملی کی وجہ سے ہم اللہ کی تائید و حمایت سے محروم ہیں ۔ فرد اور امت دونوں دو عملی میں مبتلا ہیں۔ حق اور باطل کے اس معرکے میں اہل حق کو اپنے اور اپنے ساتھیوں کا احتساب اور نگرانی (Vigilance) کرتے رہنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد

کے مواقع ضائع نہ ہوں۔ نیک لوگ جتنی کوتاہیاں کریں گے اسی تناسب سے ان کو جلدی سزا مل جائے گی۔ برے لوگوں پر قانون امہال لاگو ہوتا ہے۔ ان کو آخری برائی کرنے کی مہلت دی جاتی ہے اور بعض اوقات یہ مہلت کئی سو سال ہوتی ہے لیکن اللہ کے نام پر اللہ کی رضا کے لیے کام کرنے والوں کو چند سیکنڈ میں تنبیہ کر دی جاتی ہے کہ آپ سے غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ اگر کوئی بڑی غلطی ہو تو فوری سزا بھی بڑی ہوتی ہے۔ یہ بھی اللہ کا فضل و کرم ہے کہ وہ جلد پکڑ کر اصلاح اور توبہ کا موقع دیتا ہے۔ اگر اہل حق کی جلد گرفت نہ ہو تو یہ بھی طاغوت ہی بن جائیں اور غفلت کی وجہ سے دوزخ کے عذاب کے مستحق بن ٹھہریں۔

حرف آخر

۱۹۷۵ء کی سردیوں کی ایک شام سے شروع ہونے والے مضمون کا یہ آخری باب ہے۔ پورا مضمون تو ابھی نوٹس کی شکل میں نامکمل ہی ہے لیکن یہ آخری باب جلدی مکمل ہو گیا۔ جب پوری کتاب مکمل ہوگی تو اس کا نام ہوگا، ''اصلاحی انقلاب کے اصول وطریق''۔ اس آخری باب کو ختم کرنے سے پہلے خلاصۂ کلام تحریر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام چلانے کے لیے اٹل اصول بنائے ہیں۔ انسانوں کی اصلاح کرنے کے لیے نفاذِ اسلام اور غلبۂ اسلام کے لیے بھی طے شدہ اور ناقابل تبدیل اصول بنائے ہیں۔ ان اصولوں کی اخذ وترتیب کے لیے قرآن، حدیث، سیرت النبی ﷺ اور تاریخ کا عمیق مطالعہ ضروری ہے۔ اقامت دین کے لیے جن اصول وطریق کو میں نے سمجھا اس کتاب میں درج کر دیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جن لوگوں نے ان اصولوں کی صحیح انداز میں پیروی کی، وہ کسی نہ کسی حد تک اصلاح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

آج اگر ہمیں بھی اللہ کے کلمہ کو سربلند کرنا ہے تو ان طے شدہ اصولوں کی پابندی کرنا ہوگی اور ان گناہوں اور غلطیوں سے بچنا ہوگا جو اللہ کی راہ کو کھوٹا کرتی ہیں۔ اس آخری باب میں اہم ترین بات یہ ہے کہ اللہ کی توفیق اور مدد کے بغیر ہم کسی کام کے نہیں۔ فتح اور اقامت دین کی آخری منزل حاصل کرنے کے لیے اللہ کی مدد ضروری ہے۔

یہ بات بڑی تفصیل سے آ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کی مدد کرتا ہے؟ کن لوگوں کی مدد نہیں کرتا؟ کس طرح آئی ہوئی مدد واپس چلی جاتی ہے؟ اور کس طرح جا کر پھر دوبارہ آ جاتی ہے؟ آج اگر مسلمان آزاد ہونے کے باوجود امریکہ اور یورپ کا غلام ہے اور دین حق مغلوب ومظلوم ہے تو اس کی وجہ خود مسلمانوں کی غلطیاں ہیں۔ آج کا مسلمان اللہ کی رحمت، مدد اور فضل سے محروم ہے۔ کاش مسلمانوں کو اپنی ذلت کا احساس ہو جائے اور یہ اسلام کی طرف پلٹ آئیں اور اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کریں۔ یہاں دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں ہوسکتا ہے کہ کسی کی ہدایت کا ذریعہ بن جائیں۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ اَوَ لَیُوْشِکَنَّ اللّٰہُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَاباً مِنْ عِنْدِہٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّہٗ وَ لاَ یُسْتَجَابُ لَکُمْ .

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور تم لازماً برائی سے روکو گے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو عنقریب تم پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرے گا پھر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہ ہو گی۔ (مشکوٰۃ حدیث:۴۹۱۱)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاب کر کے فرمایا:

''میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری امتیں اس پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کسی کہنے والے نے کہا کہ کیا اس زمانے میں ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہوگے لیکن تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ہلکے ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں ''وہن'' (پست ہمتی) گھر کر لے گی۔ اس آدمی نے سوال کیا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْوَھْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْیَا وَ کَرَاھِیَۃَ الْمَوْتِ

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ پست ہمتی کس وجہ سے ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت سے بھاگنے کی وجہ سے۔ (راہ عمل صفحہ:۳۱۴)

آج ہماری مدد کی دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟ اس کی وجہ اس حدیث میں بیان کر دی گئی ہے۔ ہماری ذلت کی وجہ بھی جہاد اور شہادت سے نفرت ہے، جس کا عملی ثبوت آج کے مسلمان کی زندگی ہے۔ دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امتِ مسلمہ کو ہدایت دے اور اصلاحِ احوال کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لاَ یَعْلَمُوْنَ . اے اللہ میری جاہل قوم کو ہدایت عطا فرما۔ اے اللہ میں

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَ التُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی . آپ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور تونگری کا سوال کرتا ہوں۔

صَلَی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍوَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمْ

تعارف

دارالاصلاح بھائی پھیرو ضلع قصور تعلیم وتربیت کا ایک ادارہ ہے۔ ہر انگریزی مہینے کے دوسرے اتوار کو اس کا ماہوار اجتماع صبح ۹.۰۰ بجے ملک کالونی بھائی پھیرو میں ہوتا ہے۔ اس پروگرام میں طالب علموں کو قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ پیر اور منگل کو نماز مغرب کے بعد قرآن فہمی کی کلاس ہوتی ہے۔اس کا سالانہ اجتماع ہر سال ۱۰ محرم کو بھائی پھیرو میں ہی منعقد ہوتا ہے جس میں مہمان اہل علم اور دارالاصلاح کے طالب علم اپنے علمی خیالات پیش کرتے ہیں۔ کارکنوں کو درس قرآن اور مذاکرات کے ذریعے دعوت دین کا کام سکھایا جاتا ہے۔ ذکر، تزکیہ نفس، جہاد اور اقامت دین کے مختلف پہلوؤں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ دعوت وتبلیغ اور ذاتی روابط کے ذریعے لوگوں کے افکار، کردار اور احوال کی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے۔

الحمدللہ ادارے کے مکتبہ نے چند اصلاحی کتب ''ہدایت''، ''جادو سے کیسے بچیں؟''، ''مقصد زندگی''، ''حقیقت ذکر''، ''دعوت الی اللہ، سورہ نوح کی روشنی میں''، ''اقامت دین، سورہ بنی اسرائیل کی روشنی میں''، ''انقلابی کارکن کے اوصاف، سورہ یوسف کی روشنی میں''، ''اصلاح معاشرہ، سورۃ النحل کی روشنی میں'' اور ''معمولات'' شائع کی ہیں۔ ''ہدایت'' کا دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے اور ''معمولات'' کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔ ''نصرت الٰہی'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مزید کتب بھی ان شاءاللہ جلد ہی شائع کی جائیں گی۔

اصلاح کا یہ سارا منصوبہ رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جا رہا ہے۔ کوئی رضائے الٰہی کا طالب اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ہمارے ہاں تشریف لائے اور اپنے دل میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں تلاش کرے، ان شاءاللہ اس کے حالات بدل جائیں گے۔ اپنی اصلاح کرنے والوں کی خدمت اور رہنمائی کے لیے ہمارا ادارہ تیار ہے۔ اللہ کے فضل سے یہ دیا علاقے میں روشنی پھیلا رہا ہے اور علم کی روشنی تلاش کرنے والوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔

☆ ہدایت کن کو ملتی ہے؟

☆ ہدایت کن کو نہیں ملتی ؟

☆ کیا انسان صرف کھانے پینے کے لیے پیدا ہوا ہے؟

☆ کیا اس کا کچھ اور بھی مقصد ہے؟

☆ دولت دنیا انسان کو کیا کیا دھوکے دیتی ہے؟

☆ کیا ارادوں سے نتائج بدل جاتے ہیں؟

☆ رضائے الٰہی کن کو حاصل ہوتی ہے؟

ایسے بہت سے سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لیے

ڈاکٹر عبدالخالق

کے قلم سے شائع ہونے والی کتابوں

ھدایت

اور

مقصد زندگی

کا مطالعہ کیجیے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالاصلاح بھائی پھیرو ضلع قصور

☆ جادو کیا ہے؟

☆ جادو کی تاریخ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

☆ جادو کے عوامل کون کون سے ہیں؟

☆ جادو کے لیے کیا طریقے استعمال ہوتے ہیں؟

☆ جادو کے اثرات کی نوعیت کیا ہوتی ہیں؟

☆ جادو کے نام پر پیشہ ور عاملوں کے طریقہ واردات کیا ہوتے ہیں؟

☆ جادو سے بچنے کے لیے کیا عامل کے پاس جانا ضروری ہے؟

☆ جادو سے بچاؤ کس طرح ممکن ہے؟

ان سب باتوں کو جاننے کے لیے

ڈاکٹر عبدالخالق

کی تصنیف

جادو سے کیسے بچیں ؟

کا مطالعہ کریں۔